ISSN 0974-7346

جون ۲۰۲۶ء

جلد ۲۱۳ — عدد ۶

معارف

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

AZAMGARH

سالانہ زر تعاون

ہندوستان میں	:	سالانہ ۴۰۰/روپے۔ فی شمارہ ۴۰/روپے رجسٹرڈ ڈاک ۱۰۰۰/روپے
		ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۸۰۰/روپے میں دستیاب ہے۔
		ہندوستان میں لائف ممبرشپ ۱۰۰۰۰/روپے ہے۔
دیگر ممالک میں	:	سادہ ڈاک ۱۷۳۰/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰/روپے

اشتراک پی ڈی ایف بذریعہ ای میل (ساری دنیا میں) ۴۰۰/روپے سالانہ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ڈاک کا سلسلہ بند ہے۔ اس لئے فی الحال پاکستان معارف کی ترسیل موقوف ہے۔

سالانہ چندہ کی رقم بینک ٹرانسفر، منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔

بینک ٹرانسفر کرکے ہم کو ضرور اطلاع دیں۔ بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات یہ ہیں:

Account Name: DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC : PUNB0476100

بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

● زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔ ● معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔ ● خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ ● معارف کی ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔ ● کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کے تصنیفی اورنشریاتی کام میں مدد کے لیے اس اکاؤنٹ پر تعاون کریں:

بینک کا نام: Punjab National Bank

اکاؤنٹ نمبر: 4761005500000051

آئی ایف ایس سی: PUNB0476100

تعاون بھیجنے کے بعد تفصیلات سے ہم کو اس ایمیل پر مطلع کریں:

info@shibliacademy.org

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی CSR کے تحت رجسٹرڈ ہے۔ اب بڑی تجارتی کمپنیاں براہ راست دارالمصنّفین کو CSR کے تحت عطیات دے سکتی ہیں۔

نوٹ: غیر ممالک سے تعاون بھیجنے کے لیے بینک کی تفصیلات ایمیل بھیج کر حاصل کریں۔

Ma'arif Section: 06386324437

Email: info@shibliacademy.org website: www.shibliacademy.org

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (ڈپٹی ڈائرکٹر) نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۱۳ | ماہ ذوالحجہ ۱۴۴۷ھ مطابق ماہ جون ۲۰۲۶ء | عدد ۶

فہرست مضامین

شذرات	محمد عمیر الصدیق ندوی	۴
مقالات		
توریت اور قرآن کے بیانات میں فرق	ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں	۷
مطالعۂ تصوف: ابن تیمیہ کی تحریروں کا تجزیہ	ڈاکٹر محمد عمر فاروق	۲۶
عبد الغنی پھولپوریؒ اور دارالمصنفین سے ان کے تعلقات	پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی	۴۴
جامعات میں اردو سیرت نگاری پر تحقیق کے رجحان کا مطالعہ (پاکستان اور ہندوستان کے تناظر میں)	پروفیسر دلاور خاں، نوشاد عالم چشتی	۵۲
اخبار علمیہ	کلیم صفات اصلاحی	۷۰
آثار علمیہ و تاریخیہ		
دارالمصنفین کی مدد آپ کیوں کر کر سکتے ہیں؟		۷۲
تبصرۂ کتب	ع۔ص، ک۔ص اصلاحی	۷۴
ادبیات		
غزل	جمیل مانوی	۸۰
معارف کی ڈاک	امام عبد الملک مجاہد	۸۱
رسید کتب موصولہ		۸۲

مجلس ادارت

پروفیسر ڈاکٹر تقی الدین ندوی
پروفیسر شریف حسین قاسمی
پروفیسر اشتیاق احمد ظلی
ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی
ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

مرتبہ

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
محمد عمیر الصدیق ندوی
کلیم صفات اصلاحی

ادارتی سیکریٹری:

ڈاکٹر کمال اختر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱
info@shibliacademy.org

شذرات

ملک ہو یا ملت دونوں مصائب اور مسائل کی قیامت کی یلغار سے دوچار ہیں۔ صبح کے ایمان ویقین کے شام ہونے تک ظن و تخمین میں بدل دینے والے حالات نے خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کو زلزلوا زلزالا شدیدا کے عذابوں میں مبتلا کرر کھا ہے۔اس کی مثال شاید ہندوستان کی صدیوں پر محیط تاریخ میں نہیں ہے۔ ہر روز کسی مسجد، مقبرہ، مدرسہ یا ایسی کوئی جگہ جو یذکر فیہ اسم اللہ کثیرا کا مظہر و مصداق ہو، اس کا انہدام یا پھر اس پر قبضہ کے ذریعے اس کے غیر اللہ معابد میں انضمام کو جیسے درپیش مسائل کا سب سے بڑا حل بنا دیا گیا ہے۔ حال ہی میں اس کی سب سے بڑی تکلیف دہ اور تازہ مثال وسط ہند کی قدیم ترین تاریخی سرزمین پر صدیوں سے قائم کمال مولا مسجد کا قضیہ اور پھر اس پر قبضہ ہے۔ قضیہ تو برسوں پر محیط تھا لیکن قبضہ چند لمحوں کا منتظر رہا۔ مدھیہ پردیش ہائی کورٹ نے تمام تاریخی اور سرکاری دستاویزات اور احکام و فرامین کو بیک قلم نظر انداز اور باطل و منسوخ کر کے فیصلہ کر دیا کہ یہ مسجد اب مندر میں بدل گئی۔ اس طرح چند دنوں پہلے ادا کی گئی جمعہ کی نماز اس تاریخی یادگار کی صرف ایسی تاریخ بن کر رہ گئی جو ایک فریق کے لیے قانون کی جانبداری کا مدتوں ماتم کرتی رہے گی۔

***

کمال مولا مسجد کا معاملہ بابری مسجد کے المیہ کی داستان کا ضمیمہ بن گیا ہے۔ واقعہ ہے کہ کمال مولا مسجد بابری مسجد سے بھی قدیم تر تاریخ کی گواہ ہے، جس نے ہندوستان کی سیاسی، معاشی، تمدنی اور تہذیبی معلوم دنیا کو پہلی بار استحکام، خوشحالی، اتحاد اور امن و یکجہتی کی دولت عطا کی تھی۔ جس تاریخ نے پہاڑوں اور جنگلوں کی سرزمین کو باغ و بہار بنا کر وہاں کی فضاؤں کو ایسی پہچان دی جو شب مالوہ کی تعبیر میں ڈھل گئی۔ دھار، اسی مالوہ کی قدیم بستی ہے۔ اب ضلع ہے، لیکن اندور، اجین، کھنڈوہ برہان پور اور جبل پور جیسے شہروں کے لحاظ سے گویا غیر معروف۔ مسلمان حکمرانوں کی تاریخی دلچسپی اور حساسیت نے اس شہر کو شروع سے نمایاں پہچان دی۔ انہوں نے دھار کی سرزمین سے محبت و عقیدت کی داستانیں بیان بھی کیں اور رقم بھی کیں۔ کہاوتوں میں ہے کہ ڈھائی ہزار سال قدیم اس بستی میں راجہ بھوج کا راج تھا۔ معجزہ شق القمر کا ظہور اور پھر راجہ بھوج کے قبول اسلام کی کہانیوں کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن اتنا تو ظاہر ہے کہ یہ سرزمین مسلمانوں کی

محبت کی شاہد صدیوں پہلے بن چکی تھی۔ پانچویں صدی ہجری یعنی قریب ایک ہزار سال پہلے ایک بزرگ عبداللہ شاہ چنگال یہاں تشریف لائے۔ کہتے ہیں کہ یہ خواجہ اجمیری سے بھی سوا سو سال پہلے کا زمانہ ہے۔ بعد میں سلطان علاء الدین خلجی نے ان کی خانقاہ اور مزار کی تعمیر کرائی۔ وسط ہند میں غالباً یہ پہلی خانقاہ تھی۔ ۱۴۵۵ء میں سلطان محمود خلجی نے اس خانقاہ کے دروازے پر ایک بڑا کتبہ نصب کیا اس میں ۴۲/ اشعار تھے۔ یہ کتبہ ہندوستان کے سب سے بڑے کتبوں میں شمار ہوتا ہے اور اسی کتبے سے راجہ بھوج کے قبول اسلام کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔

***

اس علاقے میں غوری و خلجی سلاطین نے جب تعلیم و تعلم کی روشنی عام کی تو یہ سارا علاقہ عام انسانوں کی تعلیم اور تہذیب سازی کا ایسا مرکز بن گیا جہاں عوام نے مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر صرف علوم و فنون سے استفادہ کا تعلق رکھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یہاں ایک ایسے نئے نظام کی بنیاد پڑی جس میں مذہبی رواداری، بھائی چارہ اور انسان دوستی کا ماحول تھا۔ دھار کی علمی و مذہبی مرکزیت نے اس کو مدینۃ الاولیاء جس طرح بنایا اس کا ثبوت وہ تعمیرات ہیں جن کے آثار آج بھی اس شہر کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔ دھار کی جامع مسجد جس کو کمال مولا کی مسجد اس لیے کہا گیا کہ اس کے احاطہ کے مشرقی دروازہ کے باہر مولانا کمال الدین آسودۂ خاک ہیں۔ وہی نہیں ان کے بھائی، بیٹے اور سلطان جلال الدین خلجی کے بیٹے شہزادہ محمود خلجی کی بھی قبریں ہیں۔ مسجد سے پہلے یہ مولانا کمال الدین کی قیام گاہ تھی ۔ علاء الدین خلجی نے جب دھار کو فتح کر کے مالوہ کو دارالخلافہ بنایا تو اس خوشی میں مولانا کمال کی قیام گاہ کے متصل یہ مسجد ۱۴۰۷ء میں بنائی۔ یہ دو سال میں بنی، بعد میں محمد بن فیروز تغلق کے صوبے دار دلاور خان غوری نے اس کی تعمیر جدید کی۔

***

صدیاں گزرتی رہیں اقتدار اور حکومت کی مسندیں بھی بدلتی رہیں۔ دھار بادشاہوں کے بعد مہاراجوں کے زیر نگیں آیا۔ ۱۷۹۰ء کے مہاراجہ راؤ پنوار کے فرامین سے اس مسجد و خانقاہ پر مسلمانوں کا حق صاف ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن انیسویں اور بیسویں صدی میں انگریزوں کی حکومت میں ۱۹۳۵ء میں اس مسجد پر بھوج شالہ کا بورڈ لگا دیا گیا۔ جب یہ بورڈ دھار کے دیوان نے لگایا اس وقت حکومت سے سوال کیا گیا کہ گورنمنٹ نے دیوان دھار کو اس کے عمل سے کیوں نہیں روکا۔

اس کا اثر ہوا اور ۲۴؍ اگست ۱۹۳۵ء کے دھار اسٹیٹ گزٹ میں لکھا گیا کہ یہ مسجد ہی ہے اور آئندہ بھی مسجد ہی رہے گی۔

٭٭٭

کمال مولا مسجد کی تاریخ بالکل واضح ہے۔ قدیم فارسی اور بعد میں سرکاری دستاویزوں میں جو کچھ ہے وہ شاہان مالوہ، آثار مالوہ، مالوہ کی کہانی تاریخ کی زبانی، تواریخ مالوہ، مانڈو، دی سٹی آف جوائے، راجپوتانے کا اتہاس، وغیرہ کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔ چند دنوں قبل بھوپال کے معارف نواز ڈاکٹر محمد نعمان خان نے آستانۂ پاک حضرت مولانا کمال الدین چشتی کے نام سے ایک نہایت مفید تاریخی رسالے کے چند صفحات کی نقلیں ارسال کیں۔ ۱۹۶۴ء میں ایم ڈبلیو خان دھاروی نے 'واقعات جوں کے توں' مستند کتابوں سے مدلل اور منقول اقتباسات کی مدد سے اس رسالہ کو مرتب کیا۔

٭٭٭

رسالہ میں مولا کمال مسجد اور خانقاہ کے متوسلین میں غیر مسلم افراد کا ذکر بجائے خود ایک قاطع دلیل ہے کہ یہ مسجد کبھی مندر تھی ہی نہیں۔ فتنہ انگیز، انگریز ذہن نے ہندو مسلم منافرت کے مقصد سے جس طرح بابری مسجد کو ایک فرضی تاریخ کے حوالے کر دیا، بجنسہٖ دھار میں بھی یہی عمل دہرایا گیا اور اب دونوں بلکہ اس طرح کے ہندو مسلمانوں کے اتحاد کی صدیوں پرانی نشانیوں اور روایتوں کو مسخ کرنے کی سازشوں کو جس طرح دیسی سامراجیوں نے اپنا رکھا ہے، مولا کمال مسجد اسی کی مثال ہے۔

٭٭٭

شرپسندوں اور تخریب کاروں اور عوامی امن وامان کی دشمن طاقتوں کا سب سے پسندیدہ عمل تاریخ کی سچائیوں کو تدلیس اور تلبیس کے پردوں میں چھپانا رہا ہے۔ وقت ایسی باتوں کے لیے ڈھیل دیتا ہے لیکن اس کی گرفت ہو کر رہتی ہے۔ دھار، آج بے بسی کے عالم میں ہے، لیکن اس کے قرب میں مانڈو کا قلعہ بتاتا ہے کہ حوصلوں میں زندگی ہو تو حقیقت بہر حال سامنے آکر رہتی ہے اور کہتی بھی ہے کہ:

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اس وقت تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ فاعرض عنهم وانتظر انهم منتظرون

٭٭٭

مقالات

توریت اور قرآن کے بیانات میں فرق

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

کچھ مستشرقین اور یہودی و عیسائی معاندین اسلام صدیوں سے یہ دعوی دہرا رہے ہیں کہ قرآن پاک یہودی اور عیسائی مقدس کتابوں کا چربہ ہے۔ لیکن دعوے کے علاوہ وہ کوئی ٹھوس دلیل نہیں پیش کر سکے۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ قرآن پاک اور سابقہ یہودی اور عیسائی الہٰی پیغامات کا منبع ایک ہی ہے۔ اسلام نے رسول اکرمؐ سے پہلے آنے والے تمام انبیاء کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ مسلمانوں کے لئے لازمی قرار دیا ہے کہ ان سب پر ایمان لائیں (مثلاً البقرہ: ۱۳۵-۱۳۸؛ آل عمران: ۱۷۹)۔ اس لئے اسلام اور یہودیت و عیسائیت میں کچھ تشابہ ہونا فطری بات ہے۔

معاندین کے مفروضے کی تردید کے لئے قرآن پاک اور بائبل (عہد نامۂ قدیم و جدید) کا مقارنہ کافی ہے۔ اگر واقعۃً قرآن پاک بائبل کا چربہ ہوتا تو اس میں بھی بعینہٖ وہی باتیں اور واقعات نقل ہوتے جو بائبل میں ہیں۔ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک اور بائبل کے بیانیہ میں نہ صرف کافی فرق ہے بلکہ تفصیلات کا بھی فرق ہے۔ قرآن پاک کا بیانیہ اکثر بائبل کے بیانیہ سے نہ صرف ٹکراتا ہے بلکہ قرآن پاک میں ایسی باتیں بھی مذکور ہیں جو بائبل میں نہیں ہیں۔

یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ ہمارے ہاتھ میں آج جو قرآن پاک ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو رسول اکرمؐ پر نازل ہوا تھا، جبکہ توریت، یہودیوں کے اعتراف کے مطابق، دو بار پوری طرح نیست و نابود ہو گئی تھی اور بعد میں علمائے بنی اسرائیل (احبار) نے اپنے حافظے سے اسے دوبارہ لکھا۔ یہی نہیں، یہ بات بھی مسلّم ہے کہ یہودیوں نے توریت میں وقتاً فوقتاً بہت حذف واضافہ بھی کیا۔ عہد نامۂ جدید / اناجیل (Gospels) کا مقارنہ تو قرآن پاک سے کیا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ وہ اپنی موجودہ حالت میں کوئی الہامی کتاب نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے مختلف حواریوں نے جو دیکھا اور سنا، اس کو اپنی زبان میں لکھ دیا۔ گویا اناجیل کا درجہ زیادہ سے زیادہ ہمارے احادیث

کے مجموعات کا ہے جبکہ ہماری احادیث بہت موثوق ہیں اور ان کی تایید کے لئے جرح وتعدیل اور "رجال" کا بہت بڑا لٹریچر موجود ہے جو اناجیل یا توریت کو میسر نہیں ہے۔ تاریخی موثوقیت کے اعتبار سے قرآن پاک اور مجموعہائے احادیث کا درجہ بہت بلند ہے۔

مندرجہ ذیل تحریر میں ہم نے صرف کچھ مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس مسئلے کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے تاکہ معلوم ہوسکے کہ عہد نامۂ قدیم وجدید کا بیانیہ کس حد تک قرآن پاک سے مختلف ہے۔ صرف یہی بنیاد مستشرقین اور معاندین اسلام کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

قرآن پاک[1] گزری ہوئی باتوں کا ذکر کرتا ہے اور بعض اوقات پچھلے واقعات وحوادث، گزرے ہوئے انبیاء، قدیم قوموں، ماضی کی اہم شخصیات اور واقعات کے بارے میں تفصیل سے کلام کرتا ہے جیسے آدم وحوّا، قابیل وہابیل، نوح، سیلاب عظیم، ابراہیم، یعقوب، یونس، موسیٰ، فرعون، بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا، داؤد، سلیمان، ملکہ سبا اور اس کی سلطنت، اصحاب کہف، مریم کی پیدائش، عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش، اصحاب الفیل جو کعبے کو ڈھانے آئے تھے، وغیرہ۔ یہ تفصیلات کہیں کہیں اسرائیلی وعیسائی روایات (توریت واناجیل کے بیانات) سے ملتی ہیں اور کہیں کہیں ان سے مختلف ہوتی ہیں جیسے حضرت عیسیٰ کو سولی پر نہیں چڑھایا گیا (۱۵۷:۴)؛ قرآن انسان کے پیدائشی گنہ گار ہونے کے عیسائی نظریے کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ نے آدم اور ان کی زوجہ کو زمین پر اتارنے سے پہلے ان کی خطا معاف کر دی تھی (۳۷ : ۲؛۱۲۳:۲۰-۱۲۲)۔

قرآن پاک میں توریت میں مذکور ۱۵ سے زیادہ لوگوں اور واقعات کے حوالے ہیں۔ یہ بیانات بالعموم ملتے جلتے ہیں لیکن بعض جگہوں پر ان میں قابل ذکر اختلافات اور اہم اضافے بھی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر محمد ﷺ نے توریت واناجیل کے بیانات کی نقل نہیں کی ہے، بلکہ دونوں بیانوں کا ماخذ ایک ہی ہے البتہ اس فرق کے ساتھ کہ توریت میں تحریف ہوچکی ہے اور جس زبان میں وہ اتری تھی وہ اب اس سے مختلف زبانوں میں پڑھی جاتی ہے۔ خود توریت میں مذکور ہے کہ یہودیوں نے توریت میں

[1] نیچے قرآن پاک کے حوالوں میں پہلے آیت نمبر، پھر کولن کے بعد سورہ نمبر دیا گیا ہے۔

تحریف کی۔ نبی ارمیاہ کہتے ہیں: ”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ہم صاحب عقل ہیں کیونکہ خدا کا قانون ہمارے پاس ہے جبکہ لکھنے والوں کے جھوٹے قلم نے خدا کے قانون کو غلط طریقے سے لکھا ہے“ (سفر ارمیاہ (جیرمیاہ): ۸ : ۸)۔ یہ بھی ایک معروف حقیقت ہے کہ توریت کے مختلف نسخوں میں شدید اختلاف ہے۔ عبرانی نسخے (Masoretic Pentateuch) میں ۳۹/ اسفار ہیں جن کے علاوہ یہودی کسی اور سفر کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے برعکس توریت کے سامری نسخے (Samaritan Pentateuch) میں ”اسفار موسیٰ“ اور ”سفر یوشع“ کا اضافہ ہے جس کو یہودی تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ عبرانی نسخے اور سامری نسخوں میں ۶۰۰۰/ اختلافات ہیں۔ قرآن پاک نے بھی کہا ہے کہ توریت میں تحریف ہوئی ہے (۴ : ۴۶؛ ۵ : ۴۱)۔ اس کے برعکس قرآن پاک اپنے اصل متن میں بعینہ اسی طرح سے محفوظ ہے جیسا کہ وہ پندرہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا ہے (۱۵ : ۹)۔ قرآن پاک آج بھی اسی زبان میں پڑھا جاتا ہے جس میں وہ نازل ہوا تھا اور وہ آج بھی اس زبان کا اعلیٰ ترین ادبی شاہکار ہے۔

توریت اور قرآن پاک کے بیانوں میں جو فرق ہے اس میں سے بنیادی نوعیت کے فرق و اختلاف کا ایک مختصر تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے:[۲]

۱۔ **آدم کی پیدائش** کے بارے میں بائبل اور قرآن کے بیانوں میں کافی یکسانیت ہے لیکن توریت (سفر تکوین/پیدائش Genesis) فرشتوں کے اس اِشکال کا ذکر نہیں کرتی ہے جو انھوں نے آدم کی پیدائش کے معاملے پر ظاہر کیا تھا (قرآن: ۲:۳۰)۔

۲۔ **پیدائشی گناہ** Original Sin: عیسائیت کی بنیاد انسان کے پیدائشی گنہ گار ہونے کے نظریے پر قائم ہے جس کی تلافی کے لئے ”خدا کے بیٹے“ کو مصلوب کیا گیا اور صرف وہی لوگ نجات پائیں گے جو ”مسیح ابن اللہ“ پر یقین رکھتے ہوں گے۔ اسلام اس خیال کو مسترد کرتا ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ہر بچہ معصوم پیدا ہوتا

---

(۲) یہ حصہ مضمون نگار کے انگریزی ترجمۂ قرآن پاک *Glorious Quran*، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عرب اسٹڈیز/ فاروس میڈیا، دہلی، تیسرا ایڈیشن، ۲۰۲۵، ص: ۳۳۔ ۴۱ سے ماخوذ ہے (انگریزی سے ترجمہ: عدیل اختر)۔ بائبل اور قرآن کے بیانوں میں فرق واختلاف کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے لئے الگ سے ایک بڑا منصوبہ بنا کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

ہے (ما من مولود إلا یولد علی الفطرة) [۳]۔ قرآن کہتا ہے کہ آدم کو زمین پر بھیجے جانے سے پہلے ہی معاف کر دیا گیا تھا۔ [۴]

۳۔ **آدم کے تئیں شیطان کا رویہ:** آدم کے آگے سجدہ کرنے کے اللہ کے حکم سے شیطان کے انکار (۲:۳۴) کا ذکر توریت میں نہیں ہے۔

۴۔ **پہلا قتل:** قرآن میں ہابیل (Abel) کو بڑے بھائی قابیل (Cain) کے ہاتھوں قتل کئے جانے کے تحت اس بات کا ذکر ہے کہ قابیل نے ایک کوّے سے سیکھا کہ اپنے مردہ بھائی کو کیسے دفنائے (۵:۳۱-۲۷)، لیکن توریت میں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔

۵۔ **قتل کی حرمت:** ہابیل اور قابیل کے تذکرے کے ذیل میں اللہ پاک کا یہ فرمان بھی قرآن میں درج ہے کہ ”اگر کسی نے کسی انسان کو قتل کیا، الا یہ کہ وہ قتل [کا بدلہ لینے] کے لئے ہو یا زمین میں فساد پھیلانے [کی سزا] کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا...“ (۵:۳۲)۔ یہ اہم ترین بات توریت میں نہیں ملتی ہے۔

۶۔ **طوفان عظیم:** پیغمبر نوح علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے والے عظیم طوفان کا ذکر قرآن اور توریت دونوں میں ہے لیکن قرآن کے برخلاف توریت اس بات کا ذکر نہیں کرتی کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھانے کی پوری کوشش کی اور اسے یہ تلقین کی کہ اس تباہی سے بچنے کے لئے اللہ پر ایمان لے آؤ (۷:۵۹، ۲۳:۲۳، ۲۶:۱۰۶-۱۱۰، ۷۱:۱-۲۰)۔

۷۔ **نوح علیہ السلام کی قوم نے بہت سے انبیاء کو جھٹلایا:** قرآن کہتا ہے کہ نوح کی قوم کے لوگوں نے متعدد انبیاء کو جھٹلایا (۲۵:۳۷)، لیکن توریت اس بات کا ذکر نہیں کرتی۔

۸۔ **نوح کے اہل خانہ:** نوح علیہ السلام کے گھر والوں کے بارے میں بائبل اور قرآن

---

[۳] حدیث بروایت ابوہریرہؓ، صحیح مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة...، حدیث نمبر ۲۶۵۸؛ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، احادیث نمبر ۱۳۵۹، ۱۳۸۵۔

[۴] اس مسئلے پر مزید بحث کے لئے دیکھئے: حاشیہ برائے آیت ۲:۳۱: مضمون نگار کا انگریزی ترجمۂ قرآن پاک *Glorious Quran*، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عرب اسٹڈیز / فاروس میڈیا، دہلی، تیسرا ایڈیشن، ۲۰۲۵، ص: ۵۲-۵۳۔

کے بیانوں میں فرق ہے۔جہاں توریت یہ کہتی ہے کہ نوح کے تمام قریبی اہل خانہ بچالئے گئے(جینیسس (تکوین) ۷:۷)، وہیں قرآن کا بیان ہے کہ ان کا ایک بیٹا ڈبودیا گیا (۱۱:۴۲،۴۵)۔

۹۔**نوح کی بیوی:** قرآن کہتا ہے کہ نوح کی بیوی ہلاک ہوگئی(۶۶:۱۰)، لیکن توریت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۱۰۔ **کشتی نوح:** توریت کہتی ہے کہ نوح کی کشتی کوہ ارارات پر جاکر رکی (جینیسس (تکوین) ۸:۵)، جب کہ قرآن پاک یہ کہتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جاکر رکی (۱۱:۴۴)۔

۱۱۔**ابراہیم کا ذکر:** توریت میں ہم پاتے ہیں کہ خدا نے اَبرام(ابراہیم) کو اپنے کچھ قریبی رشتے داروں کو ساتھ لے کر اپنا گھر اور وطن چھوڑدینے کا حکم دیا(جینیسس (تکوین) ۱۲:۱)لیکن اس میں ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے لوگوں سے بت پرستی پر شدید تنازعے کا کوئی ذکر نہیں ہے جو قرآن پاک میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔توریت میں ابراہیم علیہ السلام کے بتوں کو توڑنے، یا انہیں آگ میں ڈالے جانے اور اللہ کے حکم سے معجزانہ طریقے سے ان کے بچ جانے،کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے، جو کہ قرآن کا ایک انتہائی دلچسپ اور سبق آموز قصہ ہے(۵۱۔۷۳ : ۲۱)۔

۱۲۔**لوط:** پیغمبر لوط علیہ السلام کو توریت میں پیغمبر یا نبی نہیں مانا گیا ہے جبکہ قرآن کے مطابق حضرت لوط اللہ کے نبی تھے (۲۶:۱۶۲)۔ توریت (جینیسس(تکوین)۱۹) ان کا ذکر ایک عام آدمی کے طور پر کرتی ہے۔عہد نامۂ جدید حضرت لوط کو محض ایک ”صالح آدمی“ کے طور پر بیان کرتا ہے (۲ ؍پیٹر (بطرس)۷۔۲:۹)۔

۱۳۔ **ہود:** ہود علیہ السلام کو قرآن میں اللہ پاک نے اپنا ایک نبی بتایا ہے جو ابراہیم علیہ السلام سے قبل ہوئے ہیں، لیکن یہودیت یا نصرانیت میں انہیں پیغمبر نہیں مانا گیا ہے بلکہ ان کا ذکر ایک طاقتور سردار کے طور پر عہدنامۂ عتیق (توریت) میں کیا گیا ہے (ا؍کرونکلز(اخبار)۷ : ۳۷)۔[۵]

---

[۵] اس مسئلے پر مزید بحث کے لئے دیکھئے حاشیہ برائے آیت ۷:۶۵: مضمون نگار کا انگریزی ترجمۂ قرآن پاک *Glorious*

۱۴۔ **پیغمبر لوط علیہ السلام کے بارے میں بے ہودہ دعویٰ:** بائبل کے مطابق، سدوم اور عمورہ (گومورا) بستیوں کی تباہی کے بعد حضرت لوط کی بیوی نمک کے ایک ستون میں تبدیل ہوگئی تھی کیوں کہ اس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی تھی اور منع کئے جانے کے باوجود پلٹ کر بستی کی طرف دیکھا تھا جب وہ تباہ ہو رہی تھی (جینیسس (تکوین) ۱۹:۲۶)۔ حضرت لوط نے اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ ایک غار میں پناہ لی (جینیسس (تکوین) ۱۹:۳۰)۔ ان بیٹیوں نے ''اپنے باپ کے جرثومے'' کو محفوظ کرنے اور ''افزائش نسل'' کے لئے انہیں شراب پلا کر مدہوش کرکے ان کے ساتھ لگاتار دو رات مجامعت کی جب کہ حضرت لوط کو خبر بھی نہ ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ پھر وہ دونوں حاملہ ہو گئیں۔ بڑی بیٹی نے موآب Moab کو جنم دیا جو موآبیوں Moabites کا جد امجد بنا، جب کہ چھوٹی بیٹی نے بن امّی Ben Ammi کو جنم دیا جو امّون قبیلے Ammonites کا جد امجد بنا (جینیسس (تکوین) ۳۱-۳۸: ۱۹)۔ یہ بلاشبہ ایک جھوٹی من گھڑت کہانی ہے کیوں کہ یہ بات ناقابل یقین ہے اور سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے کہ اللہ کے ایک نبی خود اپنی ہی بیٹیوں سے زنا جیسے قبیح اور بے حیائی کے کام کے مرتکب ہوں گے یا اس پر راضی ہوں گے یا انہیں اس کے لئے مجبور کیا جاسکے گا یا انھیں اس کی خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی۔

۱۵۔ **پیغمبر اسماعیل علیہ السلام:** قرآن پاک میں اسماعیل بن ابراہیم کو اللہ کا نبی بتایا گیا ہے (۲:۱۳۶، ۳:۸۴؛ ۴:۱۶۳؛ ۱۹:۵۴) جبکہ بائبل انہیں صرف اللہ کی طرف سے نوازے گئے انسان کے طور پر ذکر کرتی ہے کہ وہ ایک ''عظیم قوم'' کے باپ بنیں گے (جینیسس (تکوین) ۱۷:۲۰)۔

۱۶۔ **یعقوب علیہ السلام نے اپنے والد سے خداداد نعمت** (blessing) **فریب دہی کے ذریعے حاصل کی:** توریت کے مطابق، حضرت یعقوب نے اپنے والد حضرت اسحاق کی تبریک کو فریب دہی سے حاصل کیا (جس کی وجہ سے نبوت ان کو منتقل ہوئی) جب کہ یہ ان کے بڑے بیٹے ایساؤ Esau کا حق تھا (جینیسس (تکوین) ۲۷:۳۷-۱)۔ یہ

Quran، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عرب اسٹڈیز / فاروس میڈیا، دہلی، تیسرا ایڈیشن، ۲۰۲۵، ص: ۲۶۰-۲۶۱۔

بھی ایک بے ہودہ خیال ہے کیوں کہ اسلام میں کسی نبی کے بارے میں اس طرح کے عمل کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسلام میں ان دونوں باپ اور بیٹے کو اللہ کا نبی مانا گیا ہے۔

۱۷۔ **حضرت یعقوب نے (معاذ اللہ) خدا سے ساری رات کشتی لڑی:** بائبل دعویٰ کرتی ہے کہ حضرت یعقوب نے ساری رات خدا سے کشتی لڑی اور ہارے نہیں(!)۔ اس لئے خدا نے ان کو نوازا اور ان کا نام بدل کر ''اسرائیل'' رکھ دیا جس کا معنٰی ہے وہ جو خدا سے لڑا یا جو خدا پر غالب آیا (جینیسس (تکوین) ۳۰:۳۲-۲۴)۔ یہ ایک لغو اور بے ہودہ دعویٰ ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ ممکن ہی نہیں ہے اور یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے کہ کوئی اللہ سے کشتی لڑے اور پھر جیت بھی جائے۔ اللہ تو ہر لحاظ سے سب سے برتر ہے۔ اسے کوئی انسان دیکھ بھی نہیں سکتا، اس سے لڑنا تو دور کی بات ہے۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو بھی اللہ پاک نے اپنا دیدار نہیں کرایا اور انہیں خود کو روبہ رو دیکھنے کا موقع نہیں دیا (۷:۱۴۳)۔ آخری نبی محمد ﷺ نے بھی معراج کے موقع پر اللہ کا براہ راست دیدار نہیں کیا۔[۶]

۱۸۔ **حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ:** اگرچہ قرآن اور توریت دونوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے لیکن دونوں کے بیانوں میں بہت فرق ہے، مثلاً:

(الف) بائبل کہتی ہے کہ حضرت یوسف کے والد حضرت یعقوب نے ان کو ازخود ان بھائیوں کے پاس بھیجا جو باپ کا ریوڑ ایک مختلف جگہ پر چرا رہے تھے (جینیسس (تکوین) ۱۴:۳۷-۱۲) جبکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام، اپنے بیٹوں کے اصرار پر کہ وہ اپنے بھائی یوسف کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ کھیلے اور اس یقین دہانی پر کہ وہ اس کا خیال رکھیں گے، حضرت یوسف کو

---

[۶] صحابی رسولؐ ابوذرؓ نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ نے معراج میں اللہ کو دیکھا؟ تو آپؐ نے جواب دیا: ''میں نے اللہ کو نور کی شکل میں دیکھا۔ میں اللہ کو کیسے دیکھ سکتا تھا؟''۔ ابوذرؓ کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے اللہ پاک کے بارے میں فرمایا: ''نور (ہے وہ)۔ میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟'' (ابن کثیر (مختصر تفسیر القرآن الکریم للشیخ احمد شاکر، دارالوفاء، بیروت، ۲۰۰۵) ۲ / ۴۱۲، بحوالہ مسند احمد اور صحیح مسلم)۔

ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہوئے۔ وہ بھائی حضرت یوسف سے حسد کرتے تھے کیونکہ وہ ان کے سوتیلے بھائی تھے اور اپنے باپ کے چہیتے تھے (۱۲:۱۰-۸)۔ ان لوگوں نے حضرت یوسف کو مار ڈالنے کے مختلف طریقوں پر غور کیا اور بالآخر ان کو کنویں میں ڈالنے کا فیصلہ کیا اور ان کو ایک کنویں میں پھینک دیا (۱۲:۱۵)۔

(ب) بائبل (جینیسس (تکوین) ۳۷:۳۶-۲۴) کے مطابق حضرت یوسف کے بھائیوں نے انہیں ایک خشک گڑھے pit / cistern میں پھینک دیا تھا اور جب اسماعیلی تاجروں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا تو حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان کو گڑھے سے نکالا اور انہیں قافلے والوں کے ہاتھ بیس چاندی (کے سکوں) کے عوض بیچ دیا۔ تاجر انہیں مصر لے گئے جہاں انھوں نے یوسف کو فرعون کے ایک عہدے دار اور اس کے محافظوں کے سردار پوتیفار Potiphar کے ہاتھ فروخت کر دیا (جینیسس (تکوین) ۳۷:۳۶)۔ دوسری طرف، قرآن کا بیان ہے کہ حضرت یوسف کے بھائیوں نے انہیں ایک کنویں میں ڈال دیا اور اپنے والد سے جا کر یہ کہا کہ وہ یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ کر کھیلنے میں اتنے مشغول ہوئے کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا (۱۲:۱۷)۔ بعد میں ایک قافلہ وہاں پہنچا، اور جب انھوں نے پانی نکالنے کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا تو کنویں کی تہہ میں حضرت یوسف کو پایا۔ قافلے کے لوگوں نے انہیں باہر نکال لیا اور اپنے ساتھ مصر لے گئے جہاں انھوں نے حضرت یوسف کو معمولی قیمت پر بیچ دیا (۱۲:۲۰-۱۹)۔

(ج) مصر میں حضرت یوسف کی آزمائش کے بارے میں توریت اور قرآن کے بیانات اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ ان کے مصری مالک کی بیوی نے جب انہیں پھسلانے کی کوشش کی تو اس کے بعد ان کے مالک نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بائبل کے مطابق، حضرت یوسف کے مالک نے ان کے بے قصور ہونے کے دعوے کو ماننے سے انکار کر دیا اور انہیں جیل میں ڈال دیا (جینیسس (تکوین) ۳۹:۲۰-۱۹)۔ لیکن قرآن کے مطابق، مالک نے ایک عقل مند آدمی کی اس تاویل کو قبول کیا (جس کا ذکر توریت میں نہیں ہے) کہ اگر اس کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہے (اور حقیقت میں

ایسا ہی تھا) تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اور اگر اس کی قمیض آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچ کہہ رہی ہے۔ قرآن کے بیان کے مطابق، مالک نے اپنی بیوی کو پھٹکار لگائی اور یوسف کو اپنے محل میں رہنے کی اجازت دی۔ پھر مالک کی بیوی شہر میں ان افواہوں سے برافروختہ ہوئی کہ اس نے اپنے نوکر کو پھسلانے کی کوشش کی ہے، اس نے اپنی سہیلیوں کو دعوت پر بلایا اور حضرت یوسف کو ان عورتوں کے سامنے آنے کا حکم دیا۔ حضرت یوسف کے دیدار سے ششدر ان عورتوں نے اپنے ہاتھ ان چاقوؤں سے زخمی کر لئے جن سے وہ پھل کاٹ رہی تھیں۔ اس کے بعد، مالک نے حضرت یوسف کو جیل میں اس امید میں ڈال دیا کہ کچھ عرصے بعد افواہوں کا بازار ٹھنڈا پڑ جائے گا (۳۲-۱۲:۲۶)۔

(د) فرعون نے اپنے ایک ملازم کی سفارش پر حضرت یوسف کو بلایا جس کے خواب کی تعبیر حضرت یوسف نے جیل میں ٹھیک ٹھیک بتائی تھی۔ اس بارے میں توریت کہتی ہے کہ یوسف اس بلاوے پر فوراً ہی جانے کے لئے راضی ہو گئے اور فرعون کے پاس چلے گئے (جینیسس (تکوین) ۴۱:۱۴)، لیکن قرآن کہتا ہے کہ جب بادشاہ نے انہیں بلایا تو حضرت یوسف نے اس بات پر زور دیا کہ پہلے ''العزیز'' (عالی مقام، یعنی ان کے مالک) کی بیوی بادشاہ کے سامنے آکر ان کی بے گناہی کا اقرار کرے۔ چنانچہ وہ بلائی گئی اور اس نے اپنا قصور تسلیم کیا (۵۲-۱۲:۵۰)۔ اس کے بعد ہی حضرت یوسف بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ توریت کے بیان کے مطابق، حضرت یوسف نے دربار میں حاضر ہونے کے بعد بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی (جینیسس (تکوین) ۳۲-۲۵-۴۱:۳۲) جب کہ قرآن کے بیان کے مطابق، حضرت یوسف نے جیل میں رہتے ہوئے ہی خواب کی تعبیر بتادی تھی (۴۹-۱۲:۴۵)۔ توریت کے مطابق بادشاہ نے ازخود حضرت یوسف کو اپنے محل کا سربراہ اور خزانوں کا نگہبان بنایا تھا (جینیسس (تکوین): ۴۰-۴۱:۳۹)، لیکن قرآن کے بیان کے مطابق، یہ حضرت یوسف ہی تھے جنھوں نے اس منصب کے لئے خود اپنے آپ کو پیش کیا تھا (۱۲:۵۵)۔

(ھ) توریت کی کہانی میں، حضرت یوسف کے بھائی جب اناج لے کر کنعان واپس

جارہے تھے تو ان کے روانہ ہونے سے پہلے ہی یوسف نے از خود ان کو اپنے بارے میں بتادیا تھااور کہا تھا کہ جاؤ اور والد اور سب گھر والوں کو فوراً لے کر آؤ (جینیسس (تکوین) ۹:۴۵-۱)، لیکن قرآن کے مطابق، حضرت یوسف نے اپنے بھائی بنیامین کو خزانے کا پیالہ "چرانے" کی سزا کے بہانے اپنے پاس روک لیا (۷۹:۱۲-۷۲)۔ قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ یوسف کے بھائی اناج لے کر باپ کے پاس کنعان واپس گئے لیکن ان کے سب سے بڑے بھائی[ریوبن Reuben]نے بنیامین کو نہ بچاپانے کی وجہ سے مصر میں ہی رک جانے کا فیصلہ کیا(۱۲:۸۰)۔نتیجے کے طور پر پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام اتنا روئے کہ ان کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مصر واپس جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی (بنیامین) کے بارے میں معلوم کرو۔ بھائیوں کے مصر دوبارہ واپس آنے کے بعد ہی حضرت یوسف نے ان کے سامنے اپنی شناخت ظاہر کی۔انھوں نے اپنے بھائیوں کی سرزنش کی لیکن انہیں رضاکارانہ طور سے معاف بھی کر دیا اور ان کو، والد اور سب گھروالوں کو مصر لے آنے کے لئے کنعان بھیجا(۸۴۔۱۲:۱۰۰)۔

۱۹۔ **حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون سے پہلی ملاقات:** بائبل کے مطابق پیغمبر موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس شروع میں نبوت کی علامتوں کے بغیر پہنچے (ایکسوڈس (خروج) ۵:۱) جب کہ قرآن کے مطابق، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پہلی بار فرعون کے دربار میں پہنچے تو معجزوں کے ساتھ ہی پہنچے تھے (۷۷:۱۰-۷۵)۔

۲۰۔ **موسیٰ علیہ السلام اور فرعون:** مصر میں قحط پڑنے اور طاعون پھیلنے کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے فوراً نکل جانے کا حکم دیا اور پھر اپنی فوج کے ساتھ ان کا پیچھا کیا(ایکسوڈس(خروج) ۸:۱۴-۵)۔اس کے برعکس، قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر رازدارانہ طور پر مصر سے نکلے۔ اللہ پاک نے موسیٰ کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ فرعون ان کا پیچھا کرے گا(۹۰ : ۱۰؛۲۳۔۲۴ : ۴۴) ۔فرعون کو جب یہ معلوم ہوا تو غضب ناک ہو کر وہ بھی ان کا پیچھا کرنے کے لئے فوج لے کر نکلا(۹۰ : ۱۰)۔

۲۱۔ **فرعون کا اللہ پر ایمان لانا:** توریت یہ نہیں کہتی ہے کہ فرعون نے ڈوبنے سے پہلے موسیٰ اور ان کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کیا، جب کہ قرآن یہ گواہی دیتا ہے کہ ڈوبنے سے پہلے آخری لمحے میں فرعون نے بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کیا (۱۰:۹۰)۔

۲۲۔ **فرعون کا انجام:** توریت کہتی ہے کہ مصر کے لوگ اسرائیلوں کا پیچھا کرتے ہوئے ساحل سمندر پر ہلاک ہوگئے، لیکن وہ خود فرعون کے انجام کے بارے میں خاموش ہے (ایکسوڈس (خروج) ۲۸۔۱۴:۳۰)۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ فرعون غرق ہو گیا اور اس کی لاش آنے والی نسلوں کو عبرت دلانے کی خاطر ہمیشہ کے لئے بچالی گئی (۱۰:۹۲)۔[۷]

۲۳۔ **کیا ہارون علیہ السلام نے سونے کا بچھڑا بنایا تھا؟:** توریت کے مطابق پیغمبر موسیٰؑ اپنے بھائی ہارونؑ کو اپنی غیر موجودگی میں اسرائیلیوں کی نگہبانی کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ بائبل کا دعویٰ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں سونے کا بچھڑا بنانے کے منصوبے میں ہارون شامل تھے (ایکسوڈس (خروج) ۳۲:۵-۱؛ ایکٹس ۷:۴۱-۴۰)۔ لیکن قرآن کے مطابق، حضرت ہارون نے، جو خود بھی اللہ کے نبی تھے، اس کی مخالفت کی تھی اور اسرائیلیوں کو خبر دار کیا تھا کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے (۲۰:۹۴-۹۰)۔ قرآن کے مطابق سامری نام کا ایک آدمی تھا جس نے سونے کا بچھڑا بنایا تھا اور اسرائیلیوں سے کہا تھا کہ اس کی پوجا کرو (۲۰:۹۷-۹۵)۔

۲۴۔ **بادشاہ نبی داؤد علیہ السلام** کو اسلام ایک عظیم پیغمبر مانتا ہے (دیکھئے ۲:۲۵۱)۔ اس کے برعکس، توریت دعویٰ کرتی ہے کہ داؤد ایک قاتل تھے اور انہوں نے بات شیبا Bathsheba نامی عورت کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کرکے اس کو حاملہ کیا۔ اس کے بعد اس کے ہِتّی قبیلے کے شوہر یوریا Uriah the Hittite کو مروا کر انھوں نے اس

[۷] دیکھئے: Maurice Bucaille, *The Bible, The Quran and Science,* tr. Alistair D. Pannel & the author، ادارہ اپیکس، دہلی، ۲۰۱۵، ص. ۳۱۶-۳۱۸

عورت سے شادی کرلی جس سے خدا ناراض ہوا (۲/ صموئیل ۲۷:۱۱-۵)۔ توریت یہ بھی دعویٰ کرتی ہے کہ حضرت داؤد کو ان کے ''گناہوں'' کی وجہ سے اللہ کا معبد تعمیر کرنے سے روک دیا گیا تھا (۱/ کرونِکلز ۴-۱۲:۱۷)۔ اس معبد کو بعد میں ان کے بیٹے حضرت سلیمان نے تعمیر کیا۔ نبی پر گنہ گار ہونے کا الزام اور اللہ کی نافرمانی کا دعویٰ اسلام کی نظر میں بالکل بےہودہ اور ناقابل یقین بات ہے۔ کوئی نبی اور پیغمبر نہ تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور نہ گنہ گار ہوتا ہے۔

۲۵۔ **نبی بادشاہ داؤد نے اپنے تمام برادران نسبتی کو مار ڈالنے کا حکم دیا:** توریت کہتی ہے کہ بادشاہ داؤد (علیہ السلام) نے جبعہ نامی قبیلے کے لوگوں (Gibeonites) کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ وہ انکے سسر بادشاہ شاؤل کے بچے ہوئے تمام سات لڑکوں کو فرداً فرداً مار ڈالیں۔ وہ بادشاہ داؤد کے برادران نسبتی (سالے) تھے کیونکہ انھوں نے بادشاہ شاؤل کی بیٹی میشال سے شادی کی تھی۔ جبعہ والوں نے ساتوں بھائیوں کو مار ڈالا اور ان کی لاشیں ایک پہاڑ پر پھینک دیں۔ پانچ ماہ میں ان کی لاشیں خاک ہوگئیں۔ بالآخر بادشاہ داؤد نے ان کی لاشوں کو زیلاہ میں خاندانی مقبرے میں دفن کرا دیا۔ توریت کے مطابق ایسا اس لئے ہوا کہ قحط سالی کے دوران خدا نے داؤد سے کہا تھا کہ شاؤل نے جبعہ والوں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اسی کی وجہ سے قحط کی مصیبت پیش آئی تھی (۲/ صموئیل ۱۔۱۴:۲۱)۔ مسلمانوں کے لئے یہ بات بالکل ناقابل یقین ہے کیوں کہ اسلام کے نزدیک اللہ کے نبی ایسے جرائم نہیں کرسکتے۔ وہ کسی معصوم کو بلاوجہ نہ قتل کرسکتے ہیں اور نہ اس کے قتل کا حکم دے سکتے ہیں۔ اس کے برعکس، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی بہت زیادہ تحسین فرمائی ہے[۸]۔

۲۶۔ **ملکہ سبا:** توریت (۱/ کنگز (ملوک) ۱۳-۱:۱۰؛ ۲/ کرونکلز (اخبار) ۱۲:۹-۱) میں سبا (شیبا) کی ملکہ کے قصے میں کہا گیا ہے کہ ملکہ خود اپنی مرضی سے نبی بادشاہ سلیمان سے ملنے آئی، ان کی عقل مندی سے متاثر ہوئی اور اپنے وطن واپس چلی گئی۔ توریت

---

[۸] اس مسئلے پر مزید معلومات کے لئے دیکھئے حاشیہ برائے آیت ۲:۲۵۱: مضمون نگار کا انگریزی ترجمۂ قرآن پاک *Glorious Quran*، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ عرب اسٹڈیز/ فاروس میڈیا، دہلی، تیسرا ایڈیشن، ۲۰۲۵، ص: ۱۰۶۔

میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ پیغمبر سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا اور نہ اس بات کا ذکر ہے کہ اس نے سلیمان علیہ السلام کا دین قبول کر لیا تھا، جب کہ دوسری طرف قرآن کہتا ہے کہ ملکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تب آئی جب اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے پاس عجز و انکساری سے آنے کا حکم دیا تھا۔ قرآن پاک نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے پیغام پر ایمان لے آئی تھی (۲۲-۴۴:۲۷)۔[۹]

۲۷۔ **ہامان:** توریت میں ہامان کو فارسی بادشاہ احاسوروس (زیر کیس، م: ۴۶۵ق۔م) کا ایک معاون بتایا گیا ہے جس نے یہودیوں کی ایذا رسانی کی تھی (۳، بک آف ایستھر ۵۔۱۴)۔ لیکن قرآن کے مطابق ہامان فرعون کا وزیر خاص تھا جسے فرعون نے اپنے لئے ایک بلند و بالا مینار بنوانے کا حکم دیا تھا تا کہ وہ اس پر چڑھ کر "موسیٰ کے خدا" کو دیکھ سکے (۲۸:۳۸)۔

۲۸۔ **حضرت ایوب علیہ السلام** قرآن کے مطابق اللہ کے پیغمبر تھے (۶:۸۴)۔ وہ اسحاق علیہ السلام کے واسطے سے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ یہودیت میں انہیں "پرافٹ آف دی جینٹائلز" یعنی غیر عبرانی لوگوں کا نبی مانا جاتا ہے (بک آف ایزیکیال (حزقیال) ۲۰:۱۴-۱۴)۔ عیسائی روایات میں انہیں صرف ایک "بزرگ" (سینٹ) مانا گیا ہے اور ان کی ثابت قدمی کی تعریف کی گئی ہے (اپیسٹل آف جیمز، عہد نامہ جدید (۵:۱۱))۔

۲۹۔ **نبی زکریا اور ان کے بیٹے نبی یحیی** کے بارے میں عہد نامہ جدید (انجیل) اور قرآن کے بیانات میں اختلاف ہے۔ انجیل کے مطابق زکریا معبد کے صرف ایک پروہت (ربّی) تھے (لوقا ۵ :۱)۔ وہ فرشتے سے بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت سننے کی خبر پر یقین نہ کرنے کی وجہ سے گونگے بنائے گئے تھے (لوقا ۸۔۲۵:۱)۔ دوسری طرف قرآن کا بیان یہ ہے کہ زکریا علیہ السلام بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹے کی بشارت ملنے کے بعد اس بات کی "نشانی" کے طور پر تین دن کے لئے خاموش کر

---

[۹] یہ غالباً اس لئے کہ یہودیوں کے نزدیک خدا صرف یہودیوں (عبرانیوں) کا خدا ہے، تمام انسانوں کا خدا نہیں ہے، جب کہ اسلام کے نزدیک اللہ تمام انسانوں کا رب ہے اور اس کا پیغام تمام انسانوں کے لئے ہے۔

دیے گئے تھے (۳:۴۱)۔

۳۰۔ **مریم:** عہد نامۂ جدید کے مطابق، حضرت مریم حضرت داؤد کے اسی گھرانے کے، جس سے ان کا تعلق تھا، یوسف نامی شخص کی بیوی (منکوحہ) تھیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ کوئی تعلق قائم ہونے سے پہلے ہی ان کے پیٹ میں معجزانہ طور پر حضرت عیسیٰ کا حمل ٹھہر گیا۔ یوسف نے اپنے بیوی کے حاملہ ہو جانے کو کوئی مسئلہ نہیں بنایا کیوں کہ انجیل کے مطابق خواب میں ایک فرشتے نے اسے یہ بتایا تھا کہ اس کی بیوی کا بچہ "مقدس روح" ہے (متّی ۱۸۔۲۰:۱)۔ مریم نے جب بچے کو جنا تو قوم کے لوگوں نے اس واقعے کے بارے میں کوئی بات چیت نہیں کی بلکہ سرکردہ لوگوں نے آکر نوزائیدہ بچے کو دیکھا، اس کی عبادت کی اور اسے قیمتی تحائف دیے۔ جب عبرانی بادشاہ ہیرود کو خبر ملی کہ "اسرائیل کا بادشاہ" پیدا ہو گیا ہے تو اس نے اس سال پیدا ہونے والے تمام بچوں کو مار ڈالنے کی کوشش کی۔ یہاں یوسف کو خواب میں ایک فرشتے نے اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچے کو لے کر مصر بھاگ جانے کا حکم دیا، تو وہ لوگ ہیرود کے مرنے تک مصر میں رہے (متی ۲۵:۱-۲۱؛ ۲۱:۲-۱)۔ لیکن قرآن میں ایسا کچھ نہیں ہے کہ مریم شادی شدہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب ننھے عیسیٰ کو گود میں اٹھائے اپنے لوگوں کے سامنے آئیں تو ان لوگوں نے ان پر زنا کی تہمت لگائی اور یہ کہہ کر ان کی ملامت کی کہ تمھاری ماں "کوئی بے حیا عورت" نہیں تھی (۱۹:۲۸-۲۷)۔ مزید برآں قرآن میں اس بات کا بھی ذکر نہیں ہے کہ یہ کنبہ بادشاہ کے ہاتھوں مار دیے جانے کے ڈر سے مصر فرار ہو گیا تھا۔[۱۰]

۳۱۔ **پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کے معجزے:** قرآن میں نومولود عیسیٰ کا اپنی والدہ کے باعصمت ہونے کی گواہی دینے (۱۹:۳۴-۳۰)، اور مٹی کے پرندوں میں جان ڈال دینے کے معجزوں (۳:۴۹) کا ذکر ہے لیکن عہد نامۂ جدید میں ان معجزوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

---

[۱۰] پروفیسر عبد الرحیم قدوائی نے اپنے ایک حالیہ مضمون (معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۲۰۲۵، ص:۵۔۱۷) میں قرآن پاک اور عہد جدید میں حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر کشی portrayal کا موازنہ کر کے دکھایا ہے کہ کس طرح قرآن حضرت مریم کا بڑی عزت اور تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے جبکہ عہد جدید میں کہیں کہیں ان کے نام کا ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا۔

۳۲۔ **عیسیٰ علیہ السلام کی "الوہیت":** قرآن پاک حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے عقیدے کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انہوں نے صرف اللہ کی وحدانیت کی تعلیم دی (۳:۵۱؛ ۵:۱۱۶-۱۱۷)۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کا بیان یہودی اور عیسائی روایتوں کے بالکل برعکس ہے۔ قرآن عیسیٰ کی تردید اس طرح سے نہیں کرتا جس طرح یہودی کرتے ہیں، نہ ہی وہ انہیں عیسائیوں کی طرح خدائی کے مقام تک لے جاتا ہے۔ قرآن یہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ حضرت عیسیٰ کو مصلوب کر دیا گیا تھا (۴:۱۵۷)۔

۳۳۔ **ذوالقرنین:** قرآن زمانۂ قدیم کی ایک شخصیت "ذوالقرنین" کا ذکر کرتا ہے (۱۸:۸۳-۹۸) جب کہ توریت و انجیل ان کے بارے میں خاموش ہیں۔

۳۴۔ **بائبل نے غلامی کو ایک ٹھوس قانونی شکل دی:** توریت (جینیسس (۹:۲۵-۲۷)) کہتی ہے کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے ہام Ham کو یہ بددعا دی کہ اس کی اولاد ہمیشہ اپنے بھائیوں کی غلام رہے گی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی باپ چہ جائیکہ ایک نبی خدا ایسی بد دعا اپنے بچے کو دے سکتا ہے۔ چوں کہ ہام سیاہ فام تھا، اس لئے بعد میں عیسائیوں نے اس مفروضے کو سیاہ فاموں کو غلام بنانے اور کروڑوں سیاہ فاموں کو سفید فام آقاؤں کی خدمت کے لئے نئی دنیا میں لاکر بسانے کے لئے ایک جواز کے طور پر استعمال کیا۔ اسلام کسی بھی انسانی نسل کے ساتھ ایسا غیر انسانی سلوک کرنا گوارا نہیں کرتا۔ قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ اللہ نے لوگوں کو برادریوں اور قبیلوں میں اس لئے بنایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں، نہ کہ وہ ایک دوسرے کو حقیر اور کمتر سمجھ کر ان سے نفرت کریں (۴۹:۱۳)۔ پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے فرمایا: "کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ کے ذریعے"[11] اور "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے"[12]۔ کوئی بھی اپنے برتر و متقی ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا کیوں کہ تقویٰ اور نیکی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کریں گے (۴۹:۴؛ ۵۳:۳۲)۔

---

[11] مسند احمد ۳۸/ ۲۳۴۸۹؛ بیہقی، شعب الایمان ۵۱۳۷

[12] ترمذی، کتاب المناقب، حدیث ۳۹۵۵

۳۵۔**خدا کا ارادہ ترک کرنا:** توریت کے مطابق اسرائیلیوں کے بچھڑا بنا کر اسے پوجنے پر خدا ان سے اتنے ناراض ہوئے کہ ان کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر خدا نے اپنا ارادہ ترک کر دیا (ایکسوڈس (خروج) ۳۳: ۱۴)۔ اسلام میں خدا اپنا ارادہ نہیں بدلتا ہے اور نہ کسی میں اتنی ہمت ہے کہ خدا سے درخواست کرے کہ وہ اپنا ارادہ بدل دے۔ قرآن صاف طور سے کہتا ہے کہ اللہ کے قول کو کوئی بدل نہیں سکتا ہے (۲۹ : ۵۰)۔

۳۶۔**خدا کا تھکنا اور آرام کرنا:** توریت کہتی ہے کہ خدا کائنات بناتے بناتے تھک گیا اور اس نے ساتویں دن آرام کیا (ایکسوڈس (خروج) ۲:۲۔۳)۔ یہ اسلام میں خدا کے تصور سے میل نہیں کھاتا۔ اس کے برعکس اللہ پاک خلق کائنات کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''ہم کو کوئی تھکن چھوئی تک نہیں'' (۳۸ : ۵۰)۔

۳۷۔**یہودیوں کو فلسطین کا ابدی عطیہ:** توریت میں ہے کہ خدا نے ابراہیم کی اولاد کو فلسطین کی سرزمین دے دی کہ وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں (جینیسس (تکوین) ۱۵ : ۱۸؛ ۱۷ : ۸)۔ لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ عملاً ایسا نہیں ہوا بلکہ یہودیوں کو فلسطین سے دوبار کھدیڑ کر لمبے عرصے کے لئے پوری طرح نکال دیا گیا۔ پہلی بار بابل کے بادشاہ بخت نصر (نبوخذ نصر) نے سنہ ۵۹۷ق۔م۔ میں یہ کیا اور دس ہزار یہودیوں کو، بشمول یہودی بادشاہ یواقیم اور نبی حزقیال، غلام بنا کر بابل لے گیا۔ اس کے بعد صرف کچھ یہودی دوبارہ فلسطین سنہ ۵۳۹ق۔م۔ واپس آئے۔ دوسری بار رومی جنرل ٹائیٹس Titus نے سنہ ۷۰ء میں فلسطین کو تاراج کیا اور یہودیوں کو وہاں سے ملک بدر کر دیا[۱۳]۔ اس کے انیس صدیوں کے بعد سنہ 1918 میں برطانوی قبضے کے بعد یہودیوں نے فلسطین واپس آنا شروع کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توریت میں مذکور ''وعدہ'' یہودیوں کا خود ساختہ ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ کبھی نہیں بدلتا (۲۹:۵۰)۔

۳۸۔**بائبل میں تحریف:** قرآن اور بائبل میں بنیادی فرق ہے۔ قرآن صاف کہتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، وہی کلام جو اللہ نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ پر نازل کیا، جب کہ

---

[۱۳] تفصیل کے لئے دیکھئے: ظفر الاسلام خان، تاریخ فلسطین القدیم، دار النفائس، بیروت، ط:۵، ۱۹۸۶ء، ص:۷۵۔۹۱۔

قدیم اور جدید دونوں عہدنامے (بائبل) وہ قصے اور کہانیاں ہیں جو بعد کے زمانے میں عقیدت مند شاگردوں اور کاتبوں نے بیان کئے اور مرتب کئے۔ دونوں ہی عہدناموں میں تاریخ نویسی اور تدوین و تصنیف کا انسانی انداز نمایاں ہے جب کہ قرآن اللہ پاک کے راست تکلم وارشاد کا اعلیٰ وارفع نمونہ ہے جس میں ایسا کوئی شائبہ نہیں ملتا کہ یہ کسی تیسرے فرد کے ذریعے قلم بند کی ہوئی روداد ہو۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن بائبل سے بہت اعلیٰ تر کلام ہے، البتہ قدیم و جدید عہدناموں کو حدیث کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے، جب کہ حدیث وسنت بھی بائبل سے اعلیٰ تر ہے کیوں کہ حدیث کی تدوین میں ثقہ راویوں کا ایک معتبر ترین سلسلہ ہے جب کہ بائبل میں یہ احتیاط واعتبار پوری طرح مفقود ہے۔

۳۹۔ **قرآن اپنی اصل شکل میں آج بھی محفوظ ہے:** یہ بات بھی ذہن میں رکھی جانی چاہئے کہ جہاں قرآن کا متن اپنی اصل عربی زبان میں شاندار طریقے سے اپنی حقیقی شکل میں آج بھی محفوظ ہے، وہیں توریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دوبار پوری طرح ضائع ہوگئی تھی اور اسے یادداشت کے سہارے دو بار پھر سے لکھا گیا۔ قرآن کے برخلاف، قدیم وجدید دونوں عہدناموں کو آج ان کی اصل زبانوں میں نہیں پڑھا جاتا ہے۔[۱۴] یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ قرآن اور پچھلے آسمانی صحائف میں صرف اس لحاظ سے یکسانیت ہے کہ ان کا ماخذ ایک ہے[۱۵]۔ پچھلے صحائف میں صدیوں سے تحریف، حذف واضافہ اور تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں (۴۶ : ۴؛ ۱۳:۵؛ ۴۱ :۵) اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ بائبل (عہدنامۂ قدیم وجدید) کے نئے نئے ایڈیشن مستقل شائع ہوتے رہتے ہیں اور یہ نئے ایڈیشن جس زمانے میں اور جن گرجوں کی طرف سے جاری ہوتے ہیں ان کی ضرورتوں کے لحاظ سے نئی تبدیلیوں کے حامل ہوتے ہیں۔

---

[۱۴] عہدنامہ قدیم عبرانی / آرامی زبان میں لکھی گئی تھی، جب کہ عہدنامہ جدید یونانی زبان میں لکھی گئی تھی جو سکندر اعظم کی فتوحات (۳۳۵ - ۳۲۳ق.م.) سے لے کر بازنطینی یونان کے سنہ ۶۰۰ عیسوی میں ظاہر ہونے تک مشرقی بحیرہ روم کی عام زبان تھی۔

[۱۵] قرآن میں اس کے متعدد حوالے ہیں، جیسے: ۲:۲۸۵؛ ۴:۱۳۶، ۴:۱۵۲؛ ۵:19؛ ۶:۱۰؛ ۱۳:۳۲؛ ۱۳:۳۸؛ ۴۷:۳۰؛ ۳۵:۴؛ ۷۸:۴۰ وغیرہ

۴۰۔ **اسلامی شریعت یہودی شریعت سے مختلف ہے:** اسلامی شریعت یہودیت کے سخت و بے لچک قوانین اور عیسائیت کی لچیلی اور ڈھیلی ڈھالی شکل سے مختلف ہے۔ اسلام ایک معتدل اور متوسط راستہ ہے۔ اسلام کا تصورِ خدا یہودیوں کے غضبناک خدا سے بھی الگ ہے جو صرف ایک خاص قوم کا طرف دار ہے۔ وہ عیسائیوں کے خدا سے بھی مختلف ہے جو تین خداؤں میں سے ایک ہے۔ اسلام کا خدا انتہائی مہربان، کریم و رحیم رب ہے، جو ہر شئے کا پالن ہار ہے۔ اسلام کا تصور خدا یہودیوں کے اس تصور خدا سے مختلف ہے جس میں خدا صرف ایک چنیدہ نسل کا خیال رکھتا ہے۔ وہ عیسائیت کے تصور خدا سے بھی مختلف ہے جو اپنے "بیٹے" کی قربانی صرف ان لوگوں کی نجات کے لئے دیتا ہے جو اس کے "بیٹے" پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام پوری شدت سے صرف ایک خدا میں یقین رکھتا ہے، ایسا خدا جو تمام انسانوں، تمام مخلوقات اور پوری کائنات کا خدا اور پالن ہار ہے۔ کوئی اس کا خصوصی چہیتا نہیں ہے، کوئی اس کا بیٹا یا بیٹی نہیں ہے، کسی کے ساتھ اس کا خصوصی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کے دربار میں سب کو انکے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

۴۱۔ **یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں اختلاف:** اوپر جو فرق گنائے گئے ہیں (اور ان جیسے مزید بہت سے نکات ہیں) ان کے علاوہ بھی یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں بہت بڑے اختلافات ہیں:

(اَ) اسلام نے غریبوں کے فائدے اور معاشرے میں غربت ختم کرنے کے لئے ایک سالانہ لازمی ٹیکس (زکوۃ) جاری کیا۔ اس کے علاوہ اس نے صدقات اور مختلف گناہوں کے کفارے کے لئے مال خرچ کرنے کو لازمی قرار دیا جس سے غرباء کا فائدہ ہوتا ہے۔

(ب) اسلام نے تمام صحت مند مسلمانوں کے لئے سال میں ایک بار رمضان میں پورے مہینے کے روزے رکھنے کو لازم قرار دیا۔

(ج) اسلام نے مکہ اور اس کے مضافات میں حج کرنے کو عبادات میں شامل کیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو اللہ پاک کی رضا کے لئے قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ یہ

سفر حج ہر صحت مند اور صاحب استطاعت مسلمان مرد وعورت پر زندگی میں ایک بار فرض کیا گیا ہے۔

(د) دن میں پانچ بار مستقل طور سے نماز (صلوٰۃ) مقررہ اوقات میں ادا کرنا ہر بالغ مسلمان مرد وعورت پر اسلام نے فرض کیا ہے۔

(ھ) جمعہ کے دن دوپہر کو ہفتہ وار خصوصی نماز مسجد میں اجتماعی طور سے ادا کرنا بھی اسلام میں ہر علاقے کے تمام مسلمانوں کے لئے واجب کیا گیا ہے۔

(و) اسلام نے سال میں دو عیدیں مقرر کیں: ایک رمضان کے روزوں کے اختتام پر، اور دوسری حج کے اختتام پر۔ ان دونوں موقعوں پر ایک اہم چیز طلوع آفتاب کے بعد اجتماعی عبادت (نماز) ادا کرنی ہے جس میں گاؤں یا شہر کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر نماز کے بعد ایک دوسرے سے ملتے اور اظہار مسرت کرتے ہیں اور یہ سال میں دو بار ہوتا ہے۔

(ز) مال غنیمت بھی مسلمانوں کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے جب کہ وہ پچھلی قوموں کے لئے جائز نہیں تھا۔[۱۶]

(ح) **دین و دنیا کا تصور:** اسلام میں دین و دنیا ایک ہے، اس کے تحت مسلمان اور غیر مسلم سب امن و سکون سے رہتے ہیں اور سب کے حقوق محفوظ ہیں؛ جبکہ یہودیوں کے نزدیک صرف یہودیوں کی حکومت قانونی ہے اور وہ صرف ان کے لئے ہے۔ یہودیوں کے نزدیک غیر یہودی کا کوئی حق ہے ہی نہیں، وہ نجس ہیں، وہ انسان کی شکل میں صرف یہودیوں کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں[۱۷]۔ عیسائیت کے نزدیک دین اور دنیا دو الگ الگ خانے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا قول اناجیل میں ہے: ”قیصر کو دو جو قیصر کا ہے اور خدا کو دو جو خدا کا ہے“ (متی ۲۲ : ۲۱؛ مرقس ۱۲ : ۱۷)۔

یہ کچھ اہم خصائص ہیں جو ایک امت کو بنانے، اسے قوی و متحد رکھنے اور دنیا کے لئے خیر کا ذریعہ بنانے کے لئے ضروری ہیں لیکن یہ خصائص یہودیت اور عیسائیت میں مفقود ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بے بنیاد ہے کہ قرآن یا اسلام یہودیت وعیسائیت کا چربہ ہے۔

---

[۱۶] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق السقا وآخرین، القاھرۃ، الحلبی ۱۹۵۵، ۲ / ٦٧٦۔

[۱۷] دیکھیے: ظفر الاسلام خان، التلمود تاریخہ وتعالیمہ، دار النفائس، بیروت، ط ۲: ۱۹۷۲

مطالعۂ تصوف: ابن تیمیہ کی تحریروں کا تجزیہ

ڈاکٹر محمد عمر فاروق
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
mfarooque@jmi.ac.in

تصوف ایک ایسا موضوع ہے جس پر گفتگو تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتی رہی ہے اور اس موضوع پر مختلف طرح سے لوگوں نے اپنی تحریریں چھوڑی ہیں۔ کچھ تحریروں میں اسے تزکیۂ نفس کا ایک طریقہ گردانا گیا ہے اور اس کی عملیات کو سنت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قلبی و باطنی اعمال و کیفیات مثلاً توبہ و انابت، خوف و محبت، صبر و شکر، رجا و توکل اور تسلیم و رضا کو روح تصوف قرار دیتے ہوئے ان کی تشریح اس انداز سے کی گئی ہے کہ وہ قرآن و سنت کے عین مطابق نظر آئیں۔ ان کے برعکس اگر تصوف کی امہات الکتب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تصوف کا تعلق انسانی زندگی کے کسی مخصوص گوشے سے نہیں بلکہ وہ پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ وہ تزکیۂ نفس کا طریقہ بھی بیان کرتا ہے اور قرب الٰہی کے ایک خاص مفہوم کا علم بردار بھی ہے، علم و عرفان کی ایک مخصوص راہ تجویز کرتا ہے اور انسانی زندگی کا ایک خاص نقشہ بھی پیش کرتا ہے۔ ان تمام شعبوں میں کچھ چیزیں عین قرآن و سنت ہیں اور کچھ ان سے مختلف و متعارض۔

تصوف کے موضوع پر لکھی گئی مختلف تحریروں سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ پوری دنیا میں اس کے تعلق سے دو مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک کے مطابق تصوف نہ صرف روح دین ہے بلکہ حقیقت دین بھی اور اس دائرے کے باہر حقیقی دین داری کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باہر احیائے دین کی جو تحریکیں اور کوششیں ہو رہی ہیں وہ سب کی سب گمراہ کن اور دین کے پردے میں دنیاداری ہے۔ اس کے برعکس دوسرا رجحان تصوف کو رہبانیت کی ایک قسم بتاتا ہے۔ اسے دین و دنیا کی تقسیم کا قائل اور حق کو غالب کرنے کے بجائے باطل کے لیے راہ ہموار کرنے والا قرار دیتا ہے۔

تاریخی پس منظر: اسلامی تاریخ میں تصوف کا آغاز زہد و ورع اور تقویٰ و خدا ترسی کی ایک عملی تحریک کے طور پر اس وقت ہوا جب مسلم معاشرے میں حب دنیا اور کراہیت موت کے نتیجے میں دنیاداری، جاہ طلبی اور فتنہ وفساد میں اضافہ ہوا۔ ایسے وقت میں معاشرے میں چند ایسے افراد ظاہر ہوئے، جنھوں نے باطنی تزکیے، احسان اور ذاتی محاسبہ و مجاہدہ کے ذریعے اس فانی دنیا میں ظاہری ریا ونمود کے بجائے اخروی اور ابدی زندگی کو سنوارنے پر زور دیا۔ ایسے ہی افراد اور گروہ کے لیے بعد کے ادوار میں صوفی واہل تصوف کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ابتدائی صوفیہ میں حسن بصری، ابراہیم بن ادہم، رابعہ بصری، جنید بغدادی، سری سقطی، فضیل بن عیاض اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ کا فکری و علمی پس منظر: احمد تقی الدین ابن تیمیہ کا آبائی اور وطنی تعلق موجودہ جنوب مشرقی ترکی کے قدیم اور تاریخی شہر حرّان[1] سے تھا، جہاں ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ ہجری مطابق ۲۲ جنوری ۱۲۶۳ عیسوی کو ان کی پیدائش ہوئی[2]۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ دمشق میں گزرا اور وہیں پر ان کی وفات ۲۰ ذی القعدہ ۷۲۸ ہجری مطابق ۲۶ ستمبر ۱۳۲۸ عیسوی کو ہوئی[3]۔ ابن تیمیہ کا فکری تعلق سنی حنبلی فقہی روایت سے تھا، مگر وہ خود تقلید کے بجائے دلائل و براہین پر زور دیتے تھے۔ سیاسی اعتبار سے ان کا عہد مسلم حکومتوں پر صلیبی و تاتاری حملوں، مسلکی و گروہی بنیادوں پر ممالک اسلامیہ اور مسلم معاشروں کے آپسی اختلافات، ناچاقی اور شر وفساد کا دور رہا ہے۔ علمی و فکری اعتبار سے یہ عہد اجتہادی جمود، باطنی تحریکوں، فلسفیانہ و متصوفانہ نظریات (بالخصوص وحدت الوجود) اور رسوم ورواج کے اعتبار سے بدعات سے بھرا ہوا تھا۔[4] اسی لیے تصوف پر ابن تیمیہ کے نقد اور ان کی تحریروں کو اسی پس منظر و پیرائے میں دیکھنا اور سمجھا جانا چاہیے۔

---

[1] یہ اصل میں شام کے ولایت حلب کا حصہ تھا لیکن سنہ ۱۹۲۳ء میں لوزان کے معاہدے کی رو سے اس کی ملکیت ترکی کو منتقل کر دی گئی (مدیر)۔

[2] محمد ابوزہرہ: حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اردو ترجمہ: سید رئیس احمد جعفری ندوی، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، طبع ثانی ۱۹۷۱، ص: ۵۱۔

[3] حوالۂ سابق، ص: ۱۵۷-۱۵۸۔

[4] حوالۂ سابق، ص: ۲۱۱-۲۴۴۔

ابن تیمیہ اور تصوف: تصوف کے بارے میں ابن تیمیہ کی تحریروں کے جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مغرب کے چند دانشوروں اور مشرق کے کچھ علماء نے یہ تصور عام کیا ہے کہ وہ تصوف کے شدید مخالف تھے اور صحیح وغلط میں فرق کیے بغیر پورے ذخیرۂ تصوف کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔[۵] درحقیقت ان میں سے کوئی بات درست نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ابن تیمیہ نے تصوف کے بعض پہلوؤں پر سخت تنقید کی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی تنقید صرف چند فلسفیانہ نظریات، طریقوں اور اعمال تک محدود نہیں جیسا کہ چند مصنّفین نے بیان کیا ہے۔ مثلاً جارج مقدسی کا خیال ہے کہ ابن تیمیہ نے صرف وجودی صوفیہ جیسے ابن عربی اور فلسفہ سے متأثر صوفیہ پر تنقید کی ہے۔[۶] اسی طرح مولانا ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے صوفیہ کی بدعات اور زیارت قبور وغیرہ کو ہی ہدف تنقید بنایا ہے[۷]۔ ان کے برعکس تصوف پر ابن تیمیہ کی تنقید کا زیادہ جامع اور بہتر تذکرہ ذیل کی کتابوں اور تحریروں میں ملتا ہے:

- ابوزهره، ابن تیمیۃ: حیاتہ و عصرہ و آراؤہ، وفقهہ، دارالفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۹۱۔
- ڈاکٹر مصطفی حلمی، ابن تیمیۃ والتصوف ، دارالدعوۃ، اسکندریۃ، ۱۹۸۲۔
- ڈاکٹر احمد بن محمّد بنانی: موقف الإمام ابن تیمیۃ من التصوف والصوفیۃ، جامعۃ ام القری، کلیۃ الدعوۃ واصول الدین، ۱۹۸۶۔
- Thomas Michel: "Ibn e Taimiya's Sharh on Futuhul Ghaib," *Hamdard Islamicus,* Karachi, IV, No.2, 1981, pp. 3-12.

---

(۵) George Makdisi, "Ibn-Taimiya: A Sufi of the Qadriya Order", *American Journal of Arabic Studies,* vol. I, 1973, pp. 118-122; George Makdisi, "Ibn Taymīyah" *Encyclopedia of Religion*, 2nd edition, edited by Lindsay Jones, Thomson Gale, Macmillan Reference USA, 2005, vol. 6, pp. 4276-4279.

(۶) George Makdisi, Ibn-Taimiya: A Sufi of the Qadriya Order, pp. 122-129.

(۷) ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت، جلد دوم، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، گیارہواں ایڈیشن، ۲۰۰۵، ص: ۱۸۹- ۲۱۸۔

اس کے ساتھ ہی تصوف سے متعلق ابن تیمیہ کے حقیقی موقف کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ان کی کئی کتابوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے کیوں کہ اہمیت کے اعتبار سے انھیں بنیادی مآخذ کا درجہ حاصل ہے۔ ان تحریروں کے مطالعے کے بغیر تصوف سے متعلق ابن تیمیہ کے موقف کو سمجھنا ناممکن ہے۔ تصوف سے متعلق ابن تیمیہ کی آراء کو جاننے کے لیے ان کی درج ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے:

- الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان۔
- مجموع الرسائل والمسائل، تحقیق رشید رضا ۔
- مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام، تحقیق عبدالرحمن بن قاسم وابنہ محمدؐ۔
- جامع الرسائل، تحقیق رشاد سالم، قاہرہ، ۱۹۶۹۔
- کتاب الرد علی المنطقیین، تحقیق شرف الدین الکتبی، بیروت ۱۳۶۸ھ۔
- رسالۃ التدمریۃ، بیروت، ۱۳۹۱ھ۔

ابن تیمیہ کے نزدیک تصوف، اس کی حقیقت وماہیت: مذکورہ بالا تصانیف کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنی تحریروں میں تصوف سے متعلق آرا، افکار و نظریات، رجحانات اور صوفیہ کے احوال کا نہ صرف مثبت اور کامل تجزیہ پیش کیا ہے بلکہ اسلامی روایات سے متعارض تصوف کی مجموعی فکر، صوفیہ کے نظریات اور ان کے احوال پر جامع تنقید بھی کی ہے۔ وہ تصوف کے صحیح اجزاء کی تعریف کرتے ہیں، تزکیے اوراحسان کو اپنا شیوہ بنانے والے قرآن و سنت پر عامل صوفیہ کو 'اولیاءالرحمان' کا لقب عطا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی تصوف کے غلط اجزاء اورافکار و نظریات پر سخت تنقید کرتے ہیں، غیر شرع صوفیہ کو 'اولیاءالشیطان' کا نام دیتے ہیں۔ بنا بریں بجاطور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مجموعی اعتبار سے تصوف کے ساتھ ان کا رویہ مخالفانہ نہیں بلکہ ہمدردانہ ہے۔

تصوف کے سلسلے میں جو کام ابن تیمیہ نے انجام دیا، اس کے لیے ان کا صوفی ہونا ضروری نہیں ہے۔ ابن تیمیہ کسی صوفی سلسلے سے وابستہ نہیں تھے۔ جارج مقدسی نے ابن تیمیہ کو قادریہ سلسلے سے جوڑنے کی کوشش کی ہے، مگر سچائی یہ ہے کہ ان کے دلائل کمزور ہیں اور مقدسی کے ان

خیالات پر تھامس مائیکل نے بجا تنقید کی ہے۔[۸]

ابن تیمیہ کی تحریروں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ تصوف کے کلی انکار کے بجائے اس سے متعلق نظریات، اعمال اور شخصیات پر تنقید میں اپنے مذکورہ بالا اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں تسلسل کے ساتھ قرآن و سنت سے استشہاد کرتے ہیں اور ان دونوں بنیادی مصادر کے برعکس جو چیزیں یا اعمال و نظریات دکھائی دیتے ہیں، ان پر تنقید اور ان کی تردید کرتے ہیں۔ تصوف کے آغاز و ارتقاء اور لفظ 'تصوف' کی ابتدا کے تذکرے کے بعد ابن تیمیہ نے صوفیہ کی ابتدائی تاریخ بیان کرتے ہوئے ان کو تین گروہوں میں منقسم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"الصوفیۃ ثلاثۃ اصناف: صوفیۃ الحقائق، وصوفیۃ الأرزاق، وصوفیۃ الرسم۔"[۹]

(صوفیہ کی تین قسمیں ہیں: صوفیائے حقائق، صوفیائے ارزاق اور صوفیائے رسم)

ابن تیمیہ نے اپنی تحریروں میں پہلی قسم کے صوفیہ کے لیے 'صوفیۃ الحقائق، جمہور مشائخ السلف' اور 'اھل الاستقامۃ' جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ اس قسم میں وہ فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، ابو سلیمان الدارانی، معروف کرخی، سری سقطی اور جنید بن محمد جیسے متقدمین صوفیہ کو شامل کرتے ہیں۔ بعد کے صوفیہ میں، جن بزرگوں کو انھوں نے اس گروہ میں شامل کیا ہے، ان میں شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ حماد الدباس اور شیخ ابو البیان وغیرہ ہیں[۱۰]۔

دوسری قسم کے صوفیہ، کے لیے وہ 'صوفیۃ الأرزاق' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس گروہ میں ان صوفیہ کو شمار کیا ہے جنھوں نے ترک دنیا کر کے زاہدانہ اور خانقاہی زندگی اختیار کر لی تھی، ان میں سے چند اصحاب سُکر بھی تھے، جنھیں فنا اور جمع کے تجربات نے مغلوب کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی زبان سے ایسے الفاظ بھی ادا ہوئے، جو خلاف شریعت تھے اور اس غلطی کا احساس خود انھیں درستی کی حالت میں آنے کے بعد ہوا:

صوفیائے ارزاق وہ ہیں، جو اوقاف اور وظائف پر منحصر ہوتے ہیں، جیسے خانقاہوں میں رہنے

---

(۸) Thoms Michel: *Ibn e Taimiya's Sharh on Futuhul Ghaib*, Hamdard Islamicus, Karachi, vol. IV, No. 2, 1981, pp. 3-4

(۹) ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی، الجزء الحادی عشر، ص: ۱۹۔

(۱۰) ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی، الجزء العاشر، ص: ۵۱۶-۵۱۷۔

والے۔ ان کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ اہل حقائق میں سے ہوں، کیوں کہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور اکثر اہل حقائق خانقاہوں میں مستقل رہائش اختیار کرنے والے نہیں ہوتے ہیں۔ تاہم ان کے لیے تین شرطیں لازم قرار دی گئی ہیں: پہلی شرط: شریعت کی پابندی، یعنی وہ فرائض ادا کرتے ہوں اور محرمات سے اجتناب کرتے ہوں۔ دوسری شرط: اہل طریقت کے آداب کی پابندی، اور یہ آداب زیادہ تر شرعی آداب ہوتے ہیں۔ رہے بدعتی اور خودساختہ آداب، تو ان کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ تیسری شرط: ان میں سے کوئی شخص دنیا کی فضول چیزوں سے دل لگانے والا نہ ہو؛ پس جو مال جمع کرنے کا حریص ہو، یا اچھے اخلاق سے متصف نہ ہو، یا شرعی آداب کا پابند نہ ہو، یا فاسق ہو، وہ اس مرتبے کا مستحق نہیں ہے[۱۱]

صوفیہ کے دوسرے طبقے میں شمولیت پانے والے اصحاب کے لیے مذکورہ بالا تینوں شرائط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں شریعت کے اوامر ونواہی کی پابندی بنیادی شرط ہے۔ اسی طرح آداب طریقت کی پابندی، دنیا بےزاری وترک حب مال ومتاع اور ترک دنیا کے ساتھ ساتھ اخلاق حمیدہ بھی اس گروہ میں شمولیت کے بنیادی شرائط ہیں۔ بنابریں، ان صفات کے حصول کے لیے اپنائے جانے والے مجاہدے و اعمال کے نتیجے میں اس طبقے کے بعض صوفیہ سے سُکر کے زیر اثر ایسے کام بھی سرزد ہوئے جن کی شریعت تائید نہیں کرتی، مثلاً اس کیفیت کے نتیجے میں ابوبکر شبلی نے داڑھی صاف کروا لی اور کپڑے چاک کر لیے جس کی وجہ سے انھیں دومرتبہ اسپتال میں داخل کیا گیا۔[۱۲] لیکن جلد یا بدیر جب ان کی حالت صحیح ہوئی تو وہ شریعت کا التزام کرنے لگے۔ ابن تیمیہ نے اس قسم میں ابویزید بسطامی، ابوالحسن نوری اور ابوبکر شبلی کو شامل کیا ہے۔[۱۳] ابن تیمیہ ان صوفیہ کے فنا و سُکر کے تجربات پر اعتراض نہیں کرتے اور نہ ہی حالت سُکر میں ان سے سرزد ہوجانے والے اعمال کی مذمت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ان کا کہنا ہے کہ چوں کہ ان حضرات کو حالت سُکر میں اپنی عقل پر قابو نہیں رہتا، اس لیے انھیں معذور سمجھنا چاہیے۔[۱۴]

---

[۱۱] ابن تیمیۃ: مجموع الفتاوی، الجزء الحادی عشر، ص: ۱۹۔

[۱۲] ابن تیمیۃ: مجموع الفتاوی، الجزء العاشر، ص: ۳۸۲، ۵۵۷۔

[۱۳] حوالۂ سابق، ص: ۲۲۱۔

[۱۴] حوالۂ سابق، ص: ۳۸۲-۳۸۳۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ دوسری قسم کے صوفیہ پر ابن تیمیہ کا تنقید نہ کرنا انھیں فنا اور سُکر کے ایسے تجربات کے لیے جواز فراہم نہیں کرتا کیوں کہ قرآن اور نبی آخرالزماںؐ کی سنت دونوں سے ایسے اعمال کی تائید نہیں ملتی ہے، بلکہ نفس اور جسم دونوں کو اس طرح کی مشقتوں میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی لیے ابن تیمیہ اپنی تحریروں میں عہد نبوی وصحابہ سے مثالیں پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ جیسے سابقون الاولون اور مہاجرین و انصار سے زیادہ اکمل و اقوی ایمان کس کا ہو سکتا ہے؟ لیکن ان میں سے کوئی بھی کبھی اس کیفیت سے نہیں گزرا۔ [۱۵]

تیسری قسم کے صوفیہ کے لیے ابن تیمیہ "صوفیۃ الرسم" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس طبقے میں انھوں نے زیادہ تر ان صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے جن کے یہاں شرعی حدود و قیود کا التزام نہیں پایا جاتا۔ اس طبقے کے افکار و نظریات اسلامی اصولوں سے متصادم ہیں یا وہ ایسے اعمال کے مرتکب ہوئے ہیں جو شریعت میں مذموم ہیں۔ اس قسم کے صوفیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> صوفیائے رسم وہ ہیں جو محض نسبت (صوفی کہلانے) پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان کی توجہ لباس، رائج (انسانی وضع کردہ) آداب اور اسی طرح کی ظاہری چیزوں پر ہوتی ہے۔ یہ اہل تصوف میں ایسے ہی ہیں جیسے کوئی شخص عالم یا مجاہد کی محض ظاہری وضع قطع اختیار کر لے اور ان کے بعض اقوال و اعمال کی نقل کرنے لگے یہاں تک کہ کوئی جاہل اس کے بارے میں یہ گمان کرے کہ وہ حقیقتاً انھی میں سے ہیں، حالاں کہ دراصل وہ ان میں سے نہیں ہوتے۔ [۱۶]

ابن تیمیہ کا مثبت موقف، تزکیہ و احسان کی توثیق: ابن تیمیہ تزکیہ اور احسان کی نہ صرف تائید کرتے ہیں بلکہ تزکیۂ نفس اور مجاہدے کے نتیجے میں مقام احسان تک رسائی کی توثیق بھی کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ کے نزدیک تصوف کا اصل جوہر "احسان" ہے اور "احسان" ہی حقیقتِ تصوف ہے، یعنی اللہ کی عبادت ایسے کرنا جیسے کہ بندہ اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ صوفیہ کے ان اعمال و افعال کی تعریف کرتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے میل کھاتے ہیں، جیسے کہ تزکیۂ نفس سے متعلق مجاہدہ و محاسبہ۔ اسی طرح وہ صالح صوفیہ کے بارے میں نہ صرف مثبت رائے

---

[۱۵] حوالۂ سابق، ص: ۲۲۰۔

[۱۶] ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی، الجزء الحادی عشر، ص: ۲۰۔

رکھتے ہیں بلکہ ان کے لیے "صوفیۃ الحقائق"، "جمھور مشائخ السلف" اور "اھل الإستقامۃ" جیسے القاب کا استعمال کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی ولایت اور قربت الٰہی کا معیار بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> اگر 'اولیاء اللہ' سے مقصود ایمان والے اور متقی لوگ ہیں، تو ایک بندے کے ایمان اور تقویٰ کی مقدار کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ولایت [۱۷] متعین ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شخص ایمان اور تقویٰ میں زیادہ کامل ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت میں بھی زیادہ کامل ہوگا۔ اسی طرح لوگ اللہ عزّ وجلّ کی ولایت میں بھی ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں، جیسا کہ وہ ایمان اور تقویٰ میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ [۱۸]

ابن تیمیہ کی یہ تحریر اس بات کی وضاحت بھی کرتی ہے کہ ان کے نزدیک کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے ماورا اعمال وافعال ولایت کے درجے پر فائز نہیں کر سکتے اور نہ ہی ایسے اعمال وافعال پر عمل پیرا لوگوں کو صوفیہ یا اولیاء اللہ کے طبقے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان کے نزدیک احکام شریعت کے پابند، شرعی اوامر ونواہی کے متبعین، اخلاق حمیدہ کے حاملین اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینے والے عابدین ہی حقیقی اولیاء اللہ قرار دیے جاسکتے ہیں۔

تصوف پر ابن تیمیہ کی تنقید کے بنیادی اہداف: اہل تصوف میں ابن تیمیہ کی تنقید کا اصل ہدف "صوفیۃ الرسم" رہے ہیں۔ ان کے مطابق اس طبقے کے افکار ونظریات اسلامی اصولوں سے متصادم ہیں یا وہ ایسے اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں، جو شریعت میں مذموم ہیں۔ اس گروہ میں پہلا نام منصور حلّاج کا ہے۔ ابن تیمیہ کا ماننا ہے کہ حلّاج، حلول کے اس معنی میں قائل تھے جیسا کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ حلّاج کو سحر اور شعبدہ بازی کا بھی مرتکب قرار دیتے ہیں۔ اسی لیے وہ حلّاج کے لیے 'اھل البدعۃ' اور 'زندیق' جیسے الفاظ کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ [۱۹] ابن تیمیہ نے منصور حلّاج کے بارے میں 'رسالۃ فی الجواب عن سؤال عن الحلّاج ھل کان صدّیقاً او زندیقاً' [۲۰] کے نام سے ایک مستقل رسالہ بھی تحریر کیا ہے۔

---

[۱۷] یعنی اللہ سے قربت اور دوستی۔

[۱۸] حوالۂ سابق، ص: ۱۷۵۔

[۱۹] حوالۂ سابق، ص: ۱۸۔

[۲۰] ابن تیمیہ: جامع الرسائل، تحقیق: رشاد سالم، دار العطاء للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۱، ص: ۱۸۵–۱۹۹۔

منصور حلّاج کے بعد ابن تیمیہ کی تنقید کا نشانہ نظریہ وحدۃ الوجود اور وجودی صوفیہ ہیں، خاص طور پر محی الدین بن عربی، صدرالدین قونوی، ابن سبعین اور تلمسانی وغیرہ۔ابن تیمیہ نے ابن عربی اوران کے متبعین کے نظریۂ وحدت الوجود پر مفصّل علمی تنقید کی ہے۔اپنی اس تنقید میں وہ وجودی نظریے کے تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔انھوں نے نہ صرف وحدۃ الوجود کے بانیوں کی آراء کو اپنی تحریروں میں مختلف جگہوں پر نقل کیا ہے بلکہ دو مقامات پر ان پر تفصیل کے ساتھ کلام بھی کیا ہے،ایک ابطال وحدة الوجود[۲۱] اوردوسرے حقيقة مذهب الاتحاديين أو وحدة الوجود۔[۲۲] ابن تیمیہ نے وحدۃ الوجود کے ان بنیادی تصورات پر بھی تنقید کی ہے،جو تمام وجودی صوفیہ کے درمیان مشترک ہیں اور ان پر بھی جن میں ان کا اختلاف ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے عقل ونقل دونوں کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وحدہ الوجود کا نظریہ اسلام کے بنیادی تصورات سے متصادم ہے۔

ابن تیمیہ نے ابن عربی کی بہت سی فکری غلطیوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ان کے خیال میں ابن عربی کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ وجود کی وحدت کے قائل ہیں اور خدا و کائنات دونوں کے وجود کو ایک ہی قرار دیتے ہیں۔ ابن عربی اشیاء کے اعیان ثابتہ کا کوئی خارجی وجود اس فانی دنیا میں تسلیم نہیں کرتے، اس لیے وہ خدا اور کائنات کے درمیان حقیقی فرق ثابت نہیں کرپاتے۔ ابن تیمیہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ ابن عربی کے وحدۃ الوجود کے بہت سے لوازم اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہیں۔ مثلاً ان کے نظریے کا ایک لازمہ یہ ہے کہ ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی حقیر اور نجس کیوں نہ ہو، خدا کے وجود کا عین قرار پاتی ہے اور اس کی تمام اچھی بری صفات واعمال، خدا کی صفات واعمال قرار پاتے ہیں۔ اس نظریے کے اعتبار سے خدا حسین وجمیل ہے اور بدصورت وقبیح بھی۔وہی کامل ہے اور وہی ناقص،وہی صحیح ہے اور وہی غلط،وہی ایمان کا حامل ہے اور کفر کا بھی۔ اچھے اعمال پر اجر اور برے اعمال پر سزا دونوں کا مستحق بھی وہی ہے۔وہی سعید ونیک ہے اور وہی منحوس وبد۔ابن تیمیہ کے بقول یہ نتائج ابن عربی کے نظریے سے صرف

[۲۱] ابن تیمیہ: مجموعۃ الرسائل والمسائل، تحقیق: رشید رضا، لجنۃ التراث العربی، القاھرہ، الجزء الأول، ص: ۶۱-۱۲۰۔
[۲۲] ابن تیمیہ: مجموعۃ الرسائل والمسائل، الجزء الرابع، ص: ۱-۱۳۶۔

مستنبط ہی نہیں ہیں بلکہ خود ابن عربی نے اپنی تحریروں میں ان کی صراحت کی ہے۔[۲۳]

ابن تیمیہ کے مطابق ابن عربی کا نظریہ، شرک وبت پرستی کے لیے جواز فراہم کرتا ہے، توحید وشرک کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتا اور انبیاء کی دعوت توحید کو ان کا "مکر" کہہ کے اس کی تضحیک کرتا ہے۔[۲۴] اس کے ساتھ ساتھ ابن عربی "ختم الاولیاء" کے بے بنیاد نظریے کے نہ صرف مؤید ہیں بلکہ خود کو "خاتم الاولیاء" کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ صرف ان کا ہی نظریہ کلی طور پر درست ہے، باقی تمام نظریات صرف جزوی طور پر درست ہیں۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ تمام اولیاء بشمول خاتم الانبیاء حقیقت کا علم خاتم الاولیاء کے واسطے سے حاصل کرتے ہیں۔[۲۵] نبی اور ولی کے درمیان افضلیت کے مسئلے پر بھی ابن تیمیہ نے ابن عربی اور دوسرے صوفیہ کی ان آراء کی تردید کی ہے، جس کی بنیاد پر وہ "خاتم الأولیاء" کو افضل تصور کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> پھر "فصوص" کے مصنف اور ان جیسے لوگوں نے اپنا نظریہ اس بنیاد پر قائم کیا کہ ولی، اللہ سے بلاواسطہ حاصل کرتا ہے، جب کہ نبی فرشتے کے واسطے سے حاصل کرتا ہے؛ اسی بنا پر ان کے نزدیک خاتم الاولیاء اس پہلو سے نبی سے افضل ٹھہرتا ہے۔ یہ بات باطل اور جھوٹ ہے، کیوں کہ ولی، رسول کے واسطے کے بغیر اللہ سے کچھ بھی حاصل نہیں کرتا۔ ولی اگر محدث[۲۶] ہو اور اس کے دل میں کوئی بات القاء کی جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے کتاب وسنت کے مطابق پرکھے، جو رسولؐ لے کر آئے ہیں۔[۲۷]

عبدالحق انصاری کے بقول ابن عربی خدا کی ازلی تقدیر کو تمام غلط افکار اور برے اعمال کے لیے ڈھال بتاتے ہیں اور عذاب آخرت کی ایسی توجیہ کرتے ہیں کہ وہ عذاب باقی نہیں رہتا۔

---

[۲۳] حوالۂ سابق، ص: ۷۸-۷۹۔

[۲۴] حوالۂ سابق، ص: ۷۹-۸۰۔

[۲۵] ابن تیمیۃ: مجموع الفتاویٰ، الجزء الحادی عشر، ص: ۳۸۵-۳۸۶؛ الدکتور مصطفی حلمی: ابن تیمیۃ والتصوف، دار الدعوۃ للطبع والنشر، الاسکندریۃ، ۱۹۸۲، ص: ۳۳۹-۳۴۴۔

[۲۶] مُحَدَّث: نیا یا نئی بات جاننے والا۔

[۲۷] ابن تیمیۃ: مجموعۃ الرسائل والمسائل، الجزء الرابع، ص: ۶۴۔

انھوں نے مزید لکھا ہے کہ ابن تیمیہ ان خیالات کو کفر اور زندقہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔[۲۸] ان سب کے باوجود وہ ابن عربی کی زندگی اور ان کے کردار پر کوئی تنقید نہیں کرتے۔ وحدۃ الوجود کے قائلین میں سے تلمسانی واحد شخص ہیں جن کو اخلاقی قیود کا انکار کرنے کے سبب ابن تیمیہ 'فاجر' کہتے ہیں۔[۲۹]

ابن تیمیہ نے اپنی تحریروں میں ابن عربی پر مفصل تنقید کی ہے لیکن وہ اس بات کے بھی معترف ہیں کہ وحدۃ الوجود کے قائلین میں ابن عربی کا ہی نظریہ اسلام سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ نیز وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ابن عربی کے بہت سے خیالات درست ہیں، وہ شریعت کے اوامر ونواہی کو تسلیم کرتے ہیں۔ طریقۂ سلوک میں انھوں نے متعدد ایسے اعمال و اوراد کو رواج دیا ہے، جن کو مشائخ صوفیہ نے قبول کیا ہے۔ ان کی کتابوں سے بہت سے سالکین کو فیض پہنچا، یہ الگ بات ہے کہ وہ بسا اوقات ان کے حقیقی معنوں سے واقف نہیں ہو سکے۔[۳۰]

ابن تیمیہ نے تصوف پر لکھتے ہوئے فنا اور جمع وبقا کے موضوع پر کھل کر بحث کی ہے۔ انھوں نے وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ رسولؐ اللہ اور آپؐ کے اصحاب فنا، جمع اور بقا کی ان قسموں سے ناآشنا تھے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ صحابہؓ کرام کا ایمان کامل اور ان کا عقیدہ راسخ تھا، نہ انھوں نے کبھی اپنی قوت تمیز کھوئی اور نہ ان پر سُکر طاری ہوا۔ نہ انھوں نے کبھی فنا کا تجربہ کیا اور نہ وہ عشق الٰہی میں دیوانہ ہوئے۔ ان چیزوں کی ابتدا عہد تابعین میں بصرہ میں ہوئی۔[۳۱]

فنا کی وضاحت کرتے ہوئے ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ یہ مراحل صوفیہ کو سلوک کے راستے میں پیش آتے ہیں۔ وہ خدا کی ذات میں اس قدر فنا ہو جاتے ہیں کہ کائنات یہاں تک کہ خود اپنی ذات کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ انھیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کا وجود بالکل ختم اور فنا ہو چکا ہے اور وہ مکمل طور پر خدا تعالیٰ کی ذات میں ضم ہو گئے ہیں۔[۳۲] انھوں نے صوفیہ کے فنا کی اس

---

(۲۸) Muhammad Abdul Haq Ansari: *Sufism and Shari'ah,* p. 133.

(۲۹) ابن تیمیہ: مجموعۃ الرسائل والمسائل، الجزء الاول، ص: ۱۷۷۔

(۳۰) حوالۂ سابق، ص: ۱۷۶۔

(۳۱) ابن تیمیہ: مجموع الفتاویٰ، الجزء العاشر، ص: ۲۲۰۔

(۳۲) حوالۂ سابق، جلد ۱۰، ص: ۲۱۸-۲۲۵؛ ۳۳۷-۳۴۳۔

کیفیت کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

فناء کی تین قسمیں ہیں: ایک کاملین کی، یعنی انبیاء اور اولیاء؛ دوسری اولیاء و انبیاء میں سے قاصدین کی؛ اور تیسری منافقین، ملحدین اور شباہت اختیار کرنے والوں کی۔ (۳۳)

مذکورہ بالا تینوں اقسام کو وہ فنائے ارادی، فنائے شہودی اور فنائے وجودی کا نام دیتے ہیں۔ فنا کے ان تینوں اقسام کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

فنا کی پہلی قسم یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا ہر چیز سے اس طرح بے نیاز ہو جائے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے محبت نہ کرے، اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرے، اس کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ رکھے اور اس کے علاوہ کسی کا طالب نہ ہو۔ یہی وہ معنی ہے، جس کی طرف شیخ ابو یزید کے اس قول میں اشارہ ہے کہ: "میں چاہتا ہوں کہ میں نہ چاہوں سوائے اس کے جو وہ چاہتا ہے"۔ یعنی محبوب اور پسندیدہ کا مطلوب، اور یہی دینی ارادت کا مفہوم ہے۔ بندے کا کمال یہ ہے کہ وہ نہ پسند کرے، نہ محبت رکھے، نہ راضی ہو، مگر اسی چیز پر جو اللہ کو مطلوب ہو، جسے اس نے پسند فرمایا ہو اور جس سے وہ راضی ہو؛ اور یہ وہی چیزیں ہیں، جن کا اللہ نے وجوب یا استحباب کے طور پر حکم دیا ہے یعنی بندہ صرف انہی چیزوں سے محبت کرے جن سے اللہ محبت کرتا ہے، جیسے فرشتے، انبیاء اور صالحین۔...... فنا کی دوسری قسم یہ ہے کہ بندے کے ذریعے غیر حق کا مشاہدہ ہی نہ ہو۔ یہ کیفیت بہت سے سالکین کو حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ ذکر الٰہی، اس کی عبادت، اس سے فرط محبت اور دلوں کی کمزوری کی وجہ سے ان کے دل معبود کے سوا کسی اور کا مشاہدہ نہیں کرتے اور مقصود کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھتے؛ چناں چہ ان کے دلوں میں اللہ کے سوا کسی اور کا خیال نہیں آتا بلکہ وہ اس کا بھی شعور نہیں رکھتے۔...... تیسری قسم، جسے بعض لوگ فنا کا نام دیتے ہیں، یہ ہے کہ آدمی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں اور یہ کہ خالق کا وجود ہی مخلوق کا وجود ہے، یعنی رب اور بندے کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ یہ فناء گمراہ اور الحاد والوں کی فنا ہے، جو حلول اور اتحاد جیسے عقائد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (۳۴)

ابن تیمیہ کے مطابق فنا کی ان کیفیات میں بعض صوفیہ اپنی قوت تمیز کھو بیٹھتے ہیں اور

---

(۳۳) حوالۂ سابق، ص: ۲۱۸۔

(۳۴) حوالۂ سابق، ص: ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۲۔

'اناالحق، سبحانی' یا 'ما فی الجبۃ إلا اللہ' جیسے کلمات ادا کرنے لگتے ہیں۔(۳۵) اسی طرح بعض صوفیہ غلط قسم کے دعوے کرنے لگتے ہیں؛ مثلاً "میں جہنم پر اپنا خیمہ نصب کردوں گا تاکہ لوگوں کو جہنم میں جانے سے روک سکوں" اور بعض شریعت مخالف اعمال کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ و اعمال پر صوفیہ کی گرفت نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ انھیں جذب اور سُکر کی کیفیت میں اس بات کا ہوش ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کررہے ہیں اور جو آدمی اپنے حواس سے بے گانہ ہو وہ معذور ہے۔(۳۶)

فنا، جمع اور بقا سے متعلق صوفیہ کی ان کیفیات کو ابن تیمیہ "صرف شہود" کا معاملہ تصور کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کے نزدیک مشاہدے سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان کے مطابق صوفی کو فقط یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ باقی نہیں رہا، خدا کے ساتھ ضم ہوگیا، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ حقیقت میں ضم ہوگیا۔ البتہ اس تجربے کے نتیجے میں بعض صوفیہ یہ سوچ سکتے ہیں اور کچھ نے یہ سوچا بھی ہے کہ وہ خدا کے ساتھ ضم ہوگئے ہیں۔ ان کے اس اعتقاد کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ صوفی کو یہ خیال ہو کہ خدا اس میں حلول کر گیا ہے، جیسا کہ منصور حلاج کا خیال تھا، یا یہ کہ خدا پوری کائنات میں سما گیا ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ خدا اور کائنات دونوں درحقیقت ایک ہی وجود ہیں، بندہ و آقا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس دوسری قسم کو فنائے وجودی کہا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ صوفیہ میں اس طرح کا اعتقاد اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ ان کا دل کم زور ہوتا ہے، وہ اشیاء کو ان کی اصل حالت میں دیکھ نہیں پاتے اور نہ جمع میں فرق اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ کرپاتے ہیں۔(۳۷) ابن تیمیہ نے خدا، کائنات اور اچھی و بری اشیاء سے متعلق صوفیہ کی آراء پر بھی گفتگو کی ہے۔ ابن تیمیہ کی ان آراء کی تلخیص پیش کرتے ہوئے محمد عبدالحق انصاری لکھتے ہیں:

> بعض صوفیہ خدا کی قدرت کاملہ، کائنات پر اس کے مطلق اختیار اور اس کی تقدیر کے بارے میں اتنے حساس ہوتے ہیں کہ اشیاء کو اچھا یا برا کہنے سے بھی گریز کرتے ہیں، حالاں کہ شریعت

---

(۳۵) حوالۂ سابق، ص: ۳۳۹۔

(۳۶) حوالۂ سابق، ص: ۳۴۰۔

(۳۷) حوالۂ سابق، ص: ۳۳۸-۳۴۰۔

چیزوں کو اچھا یا برا کہتی ہے۔ بعض صوفیہ اللہ کی تقدیر کے مشاہدے میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے امر کو دیکھ نہیں پاتے یا وہ اللہ کی ربوبیت کے مشاہدے میں اتنے غرق ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کی الوہیت کے مطالبات کو نہیں دیکھ پاتے ہیں۔ کچھ کی نظر میں دعا کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی اور دعوت و جہاد بھی ان کے نزدیک بے معنی ہو جاتے ہیں۔ ...... وہ برائیوں کی اصلاح یا باطل کے خلاف لڑنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔[۳۸]

ابن تیمیہ نے صوفیہ کے ان غلط افکار کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور قرآن و سنت کی روشنی میں ان کی خامیوں کی وضاحت کی ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ایک صوفی کو فنائے شہودی سے بہت آگے جا کر فرق ثانی کی منزل میں قدم رکھنا چاہیے اور اپنی عبدیت کے از سر نو اثبات کے ساتھ ساتھ اپنی تمام خواہشوں اور ارادوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کرنا چاہیے۔[۳۹] فنا کی اس کیفیت کو وہ فنائے ارادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کامل صوفیہ کا نصب العین فنائے ارادی ہے۔ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں آدمی ہر اس چیز سے بے تعلق ہو جاتا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا ہے اور ہر اس بات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے، جس کا اس نے حکم دیا ہے۔ ہر طرح کی بندگی سے منہ موڑ کر صرف خدا تعالیٰ کی بندگی میں لگ جاتا ہے اور ہر طرح کی فرماں برداری کو ترک کر کے صرف خدا کی فرماں برداری کرتا ہے۔ اسی پر توکل و بھروسہ کرتا ہے۔ صرف اس سے اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور صرف اسی سے ڈرتا ہے، اسی سے مدد مانگتا ہے اور صرف اسی کو راضی و خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وہ فنا ہے، جس کی تعلیم قرآن و سنت میں دی گئی ہے۔ ابن تیمیہ اسے فنائے دینی اور فنائے شرعی بھی کہتے ہیں۔ ان کے بقول انبیا، صحابہ اور مستقیم الاحوال صوفیہ کا یہی طریقہ رہا ہے۔[۴۰]

ابن تیمیہ وحی کے علاوہ ہدایت کے دوسرے طریقوں مثلاً کشف وغیرہ کا بھی تذکرہ کرتے ہیں اور سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۵۱ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خدا اپنے بندوں سے تین طریقوں سے گفتگو کرتا ہے۔ پردے کے پیچھے سے، فرشتے کے توسط سے یا ایحاء و القاء کے

---

[۳۸] Muhammad Abdul Haq Ansari, *Sufism and Shari'ah,* p. 134.

[۳۹] ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی، الجزء العاشر، ص: ۴۹۷۔

[۴۰] حوالۂ سابق، ص: ۱۶۷، ۲۱۸-۲۱۹، ۳۳۷-۳۳۸۔

ذریعے۔ ابن تیمیہ کے بقول، پہلے دونوں طریقے انبیاء کے لیے مخصوص ہیں جب کہ تیسری چیز اولیاء کو بھی حاصل ہے[۴۱]۔ لیکن ان کا کشف یقینی اور معصوم عن الخطأ نہیں ہوتا۔ یقینی علم تو صرف نبیؐ کی وحی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی طرح سے اس معاملے میں بھی ابن تیمیہ کا موقف بالکل واضح ہے کہ عبادت اور تقرب الی اللہ کے اثبات میں کشف کا کوئی مقام نہیں ہے۔ عبادت کی شکلیں صرف نبیؐ کے ذریعہ معلوم ہوسکتی ہیں۔ اللہ نے جس چیز کو حرام کیا ہے، اس کے سوا کچھ حرام نہیں اور جس چیز کو دین قرار دیا ہے، صرف وہی دین ہے۔[۴۲] تزکیہ یعنی قلب کی صفائی کا جو طریقہ صوفیہ کے یہاں رائج ہے، ابن تیمیہ نے اس پر بھی گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

جب ایک (عیسائی) راہب اپنی روح کا تزکیہ کرتا ہے تو اس کو تثلیث کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے اور ممکن ہے کہ تثلیث اس سے کلام کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ میں شروع سے ہی تثلیث کا تصور جاگزیں رہتا ہے۔ جب عبادت اور صفائی قلب کے ذریعہ اس کی روح صیقل ہو جاتی ہے تو اس کو تثلیث کا ہی مشاہدہ ہوتا ہے۔ تقریباً یہی صورت حال ایک مسلمان صوفی کی بھی ہوتی ہے، چوں کہ اس کے ذہن میں پہلے سے عقیدہ موجود ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے عقیدے کے مطابق خدا کا مشاہدہ کرتا ہے[۴۳]۔

ابن تیمیہ نے مزید لکھا ہے کہ فلاسفہ اور عقلیت زدہ لوگوں کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ صفائی قلب اور عبادات میں انہماک معرفت میں اضافے کا سبب نہیں بن سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ اور قلب کی طہارت علم کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ تاہم ان کے خیال میں یہ طریقہ نہ تو مستقل بالذات ہے اور نہ پورے طور پر قابل اعتماد۔ ابن تیمیہ کا اصرار ہے کہ علم اور عمل کا حقیقی سرچشمہ صرف قرآن و سنت ہیں۔

”ولی“ اور اس کی عظمت کے تعلق سے بھی ابن تیمیہ نے صراحت کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ ولی کی عظمت کا معیار اس کا خدا پر ایمان اور اس کی اطاعت و فرماں برداری ہے، کرامات نہیں۔ ولی کا کشف اور اس کا علم اگر دین میں معاون نہ ہوں تو وہ خالص دنیوی چیز ہیں۔ چناں چہ بہت سے کافر، بت پرست اور اہل کتاب خرق عادت چیزیں انجام دے لیتے ہیں، جب کہ

---

[۴۱] ابن تیمیۃ: مجموعۃ الرسائل والمسائل، الجزء الرابع، ص: ۶۴۔

[۴۲] ابن تیمیۃ: مجموع الفتاوی، الجزء العاشر، ص: ۶۷۔

[۴۳] حوالۂ سابق، ص: ۶۱۲۔

بہت سے مسلمان ایسا نہیں کر پاتے۔[۴۴] اسی طرح ولی کی عظمت اس کے وجودی یا شہودی ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی بندگی اور اطاعت کی وجہ سے ہے۔ انسان اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کی عبادت میں ہی اس کی عظمت پنہاں ہے۔ ایک انسان جتنا زیادہ خدا کی عبادت و اطاعت میں اپنا وقت صرف کرے گا اتنا ہی وہ عظیم اور کامل ہوتا جائے گا۔ اگر کوئی یہ سوچے کہ وہ خدا کی اطاعت سے بے نیاز ہو سکتا ہے یا عبودیت کی حدود سے آگے جا سکتا ہے تو وہ جاہل اور گمراہ ہے۔[۴۵]

صوفیہ کے یہاں رائج ذکر و فکر کے طریقوں اور اوراد پر بھی ابن تیمیہ نے کلام کیا ہے۔ وہ ذکر کے کچھ مخصوص طریقوں پر تنقید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے کہ صرف 'اللہُ اللہ' یا 'ھُوَ ھُوَ' کا ورد۔[۴۶] کیوں کہ قرآن و سنت میں جن اذکار کی تعلیم دی گئی ہے وہ سب بامعنی جملے ہیں، اسماء یا ضمائر نہیں ہیں۔ ابن تیمیہ اس طرح کے اذکار و اوراد کو بدعت اور ان سے احتراز لازم قرار دیتے ہیں۔

ابن تیمیہ نے خانقاہوں، قبروں اور مزاروں کی بدعات و خرافات اور صاحب قبر سے استمداد اور وسیلہ طلب کرنے پر بھی سخت تنقید کی ہے۔ وہ قبروں کی زیارت کے مشروع طریقے کو تسلیم کرتے ہوئے اس میں شامل تمام قسم کی بدعات، جیسے کہ نذر، طواف، استعانت اور وسیلہ کو رد کرتے ہیں۔[۴۷] اسی طرح وہ شریعت سے ماوراء ایسے افکار و نظریات کو خطرناک قرار دیتے ہیں، جن میں شریعت کو ظاہری درجہ اور طریقت کو برتر درجے پر رکھ کر سقوط تکلیف کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

تصوف میں ابن تیمیہ کے اثرات: ابن تیمیہ کی تحریروں کا اثر یہ ہوا کہ تصوف میں اعتدال پسندی کی ایک نئی روایت قائم ہوئی۔ ساتھ ہی ان کی تحریروں نے نہ صرف تصوف کی غلو پسندی کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ غیر شرع صوفیہ سے کنارہ کشی اور ان کو تصوف کے بنیادی دھارے سے الگ تصور کرنے کا رجحان قائم ہوا۔ ابن تیمیہ کے اثرات کے نتیجے میں بعد کے علماء جیسے ابن قیم، شاہ ولی اللہ اور شمس الحق عظیم آبادی نے "غیر شرعی تصوف" کے بالمقابل "شرعی" یا "اسلامی"

---

[۴۴] ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی، الجزء الحادی عشر، ص: ۳۹۸۔

[۴۵] ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی، الجزء العاشر، ص: ۵۴۴-۵۴۶۔

[۴۶] حوالۂ سابق، ص: ۳۹۶، ۵۵۸-۵۶۵۔

[۴۷] حوالۂ سابق، ص: ۱۶-۲۴۔

تصوف کے تصور کو مضبوط کیا۔ سلفی روایت میں ظاہری اعمال پر شدت پسندی کے ساتھ روحانی تربیت اور معرفت حقیقت کے حوالے سے ابن تیمیہ کی تحریروں کے اثر سے تزکیہ واحسان کی معنویت میں اضافہ ہوا اوران افراد کو، جو قرآن و سنت پر عمل پیرا رہتے ہوئے تزکیۂ نفس اور مجاہدے پر زور دیتے، انھیں 'اولیاءالرحمان' کے گروہ میں شامل کیا جانے لگا۔ مطالعۂ تصوف کے حوالے سے یہ بات بھی اہم ہے کہ جدید مطالعات میں مستشرقین اور جدید محققین نے ابن تیمیہ کے موقف کو زیادہ متوازن اور علمی پایا ہے۔[۴۸]

حاصل مطالعہ: مذکورہ بالا باتوں کو بنیاد بنا کر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑے ولی وہ ہیں جو انبیاء کی سنت پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محمدؐ کے بعد سب سے بڑے ولی حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔

تصوف سے متعلق ابن تیمیہ کے حقیقی موقف تک پہنچنے کے لیے ان کی تحریروں کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ آج کے دور میں تصوف سے متعلق ابن تیمیہ کی تحریروں تک رسائی کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ ان کی زیادہ تر تحریریں ان کے 'مجموع الفتاوی' میں جمع کر دی گئی ہیں۔ خاص طور پر ان کے 'مجموع الفتاوی' کی دسویں اور گیارہویں جلد میں تصوف کے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے، جنھیں بالترتیب 'کتاب علم السلوک' اور 'کتاب التصوف' کا نام دیا گیا ہے۔ گیارہویں جلد میں ہی تصوف سے متعلق ان کے اہم رسالے 'الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان' کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ تصوف سے متعلق ابن تیمیہ کی بہت سی تحریریں ان کی کتاب 'مجموع الرسائل والمسائل' میں بھی ملتی ہیں، جن کا مطالعہ ابن تیمیہ کے موقف کو جاننے کے لیے مفید ہے۔

دین کے داخلی حقائق جیسے زہد، ورع، توکل، رضا، اخلاص، شکر اور صبر وغیرہ کو جاننے کا واحد ذریعہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور صحابہ کرام کی زندگی ہے۔ جیسے جیسے ہم اس خیر القرون سے دور ہوتے جاتے ہیں، ان حقائق کے معنی مختلف خارجی عوامل مثلاً فلاسفہ کے افکار، صوفیہ کے اعمال وتجربات، ضعیف روایات اور زاہدانہ رجحانات وغیرہ سے متاثر ہوتے جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں دین وشریعت اور خدا ترسی کی ایک نئی تشریح وتوضیح سامنے آتی ہے، جسے کسی بھی طور پر

---

[۴۸] Muhammad Abdul Haq Ansari: *Sufism and Shari'ah,* p. 130.; George Makdisi, "Ibn-Taimiya: A Sufi of the Qadriya Order", pp. 118-119

خالص اسلامی روایت نہیں کہا جا سکتا۔

ابن تیمیہ نے تصوف کی جزئیات تک سے بحث کی ہے اور اس سلسلے میں کسی بھی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ ان کی تحریروں کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ وہ تصوف کے کلی منکر نہیں بلکہ اصلاح پسند ناقد ہیں۔ وہ حقیقی زہد، تزکیہ نفس اور مجاہدے کے ذریعہ اخلاق حمیدہ کے حصول کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کی تنقید کا ہدف صرف وہ نظریات و اعمال ہیں جو قرآن و سنت سے متصادم ہیں۔ تصوف کو وہ روحانی تربیت کا ایک نظام سمجھتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ غلو اور بدعات سے پاک ہو۔ یوں ابن تیمیہ کی تحریریں تصوف کی تنقیح، اصلاح اور اعتدال پر مبنی سنجیدہ علمی کام ہیں۔ خلاصے کے طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ خارجی اور داخلی زندگی میں رسول کریمؐ کی اتباع کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ خدا تک پہنچنے کا نہیں ہے اور اسی کی تلقین سلف صالحین اور اولیاء الرحمن نے کی ہے، جس پر عمل آوری کی تلقین ابن تیمیہ کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔

دارالمصنّفین کا لائف ممبر بنئے

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی ملت اسلامیہ کا ایک بے نظیر علمی و تحقیقی ادارہ ہے۔ اس نے سیرت نبویؐ اور مختلف علوم و فنون پر بیش بہا لٹریچر فراہم کیا ہے۔ پچھلی ایک صدی کے دوران دارالمصنفین نے اب تک پونے تین سو کے قریب تصنیفات و تالیفات ملک کے سنجیدہ علمی حلقوں میں پیش کی ہیں۔ ادارے کا ماہنامہ ترجمان علمی "معارف" ملک و ملت کی ذہنی و فکری بیداری میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ دارالمصنفین کی بقا اور ترقی ملت اسلامیہ کے مصالح علیا میں شامل ہے۔ دارالمصنفین کے مشن سے جڑنے کا ایک طریقہ لائف ممبری قبول کرنا ہے۔ لائف ممبر شپ کی فیس پچاس ہزار روپے ہے۔ ہر لائف ممبر کو سیرۃ النبیؐ کی سات جلدوں کا سٹ پیش کیا جاتا ہے نیز رسالہ "معارف" بھی تاحیات جاری کیا جائے گا۔ دارالمصنفین کے حیاتی رکن بن کر اس تہذیبی مشن میں شامل ہوں۔

Darul Musannefin Shibli Academy

Shibli Road, Azamgarh 276001, U.P.

Contact: +91-81279-45267 (office). **Email:** info@shibliacademy.org

A/C Name: DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH.

A/C No: 0504010100032752. **Bank Name:** PUNJAB NATIONAL BANK.

Branch: HEERPATTI - AZMAGARH (U.P.). **IFSC:** PUNB 0476100.

Bank Code: 476100

عبد الغنی پھول پوریؒ اور دار المصنفین سے اُن کے تعلقات

پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی
سابق استاد، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
zafarul.islam@gmail.com

دار المصنفین (اعظم گڑھ) مختلف طبقے کے لوگوں کی زیارت گاہ، علمی کاموں کے لیے مرکزِ مطالعہ و تحقیق اور معزز مہمانوں کے لیے قیامگاہ رہا ہے۔ اِن میں اصحابِ علم و دانش، علماء و بزرگانِ دین، مصنفین و محققین، ادباء و شعراء اور اہل سیاست و حکومت سبھی شامل رہے ہیں۔ اِن میں دیارِ شبلی کے بزرگ عالمِ دین اور تاحیات لوگوں کی اصلاح و تربیت کے کام میں مصروف رہنے والے مولانا شاہ عبد الغنی پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۷۶ء- ۱۲/ اگست ۱۹۶۳ء) کا نامِ نامی بھی شامل ہے۔ کچھ عرصہ قبل مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ کی حیات اور ان کی دینی و علمی خدمات اور اصلاحی و تربیتی سرگرمیوں پر ایک وقیع کتاب "حیاتِ پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ" (مؤلفہ ابن الحسن قاسمی، شائع شدہ از: مصطفی لائبریری، مہراج گنج، یوپی) ناچیز کے زیرِ مطالعہ رہی۔ دورانِ مطالعہ مولانا پھول پوریؒ کے دار المصنفین اور اس کے ذمہ داران و رفقاء سے ربط و تعلق کے بارے میں کچھ مفید معلومات ملیں۔ اسی کے ساتھ دار المصنفین کے ترجمان "معارف" کے کچھ قدیم شمارے اور مولانا سید سلیمان ندویؒ پر مولانا ابو علی اثریؒ (عبد الباری) کا مضمون "مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا تھانویؒ کے بعض نامور خلفاء" (مشمولہ مجموعۂ مضامین بعنوان "سید سلیمان ندویؒ" شائع شدہ دار المحدثین، گوجرانوالہ) اور دار المصنفین کے کچھ قدیم نُظماء و رفقاء سے متعلق بعض کتب (بالخصوص "حیاتِ سلیمان" مصنفہ مولانا شاہ معین الدین ندوی) و مضامین نظر سے گذرے تو مذکورہ موضوع پر کچھ مزید مواد تک رسائی ہوئی۔ مناسب محسوس ہوا کہ جمع شدہ معلومات کو مرتب کرکے "معارف" کے قارئین کرام کی نذر کردی جائیں۔

درس و تدریس، اپنے قائم کردہ مدارس کے نظم و نسق، عبادت و ریاضت کے علاوہ لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لیے مختلف قریات، قصبات و شہروں کا سفر، وہاں کے لوگوں سے ملاقات اور

وعظ و نصیحت مولانا پھول پوریؒ کے معمولات میں سے تھا۔ اعظم گڑھ شہر میں بھی مولانا کے معتقدین و متوسلین تھے۔ اصلاحی و تربیتی مقاصد سے اس شہر میں مولانا پھول پوری کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ وہاں قیام ہوتا تو دار المصنفین بھی تشریف لاتے۔ اعظم گڑھ شہر میں اُن کی آمد و رفت کے متعلق مولانا ابن الحسن قاسمی صاحب رقم طراز ہیں: "اعظم گڑھ شہر میں بھی مولانا کے کئی متعلقین موجود تھے۔ آپ وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات کے لیے شہر تشریف لے جاتے اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنتے۔ حضرت حکیم صاحب نوّر اللہ مرقدہ [مولانا پھول پوریؒ کے عزیز تلمیذ مولانا حکیم محمد اختر مرحوم پرتاپ گڑھی] بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی دنوں میں حضرت پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ خود اعظم گڑھ تشریف لے جاتے، وہاں ایک مسجد میں قیام فرماتے اور شام کو واپس آجاتے۔ کافی عرصہ تک اس طرح مجاہدہ کرتے رہے، پھر آہستہ آہستہ لوگ متوجہ ہونے لگے۔ جب حضرت کی صحبت میں سکون ملنے لگا تو لوگ پروانے کی طرح آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں جب علامہ سید سلیمان ندوی کا تعلق حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہ سے قائم ہوا تو وہاں کے لوگوں سے خاص تعلق پیدا ہو گیا"[1]۔

دار المصنفین سے مولانا پھول پوریؒ کا تعلق اس وقت اور وسیع و مضبوط ہوا جب مولانا سید سلیمان ندویؒ (م: ۲۲/ نومبر ۱۹۵۳ء) مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ سابق ناظم دار المصنفین اور مدیرِ "معارف" مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ (م: ۱۳/ دسمبر ۱۹۷۴ء) اِس سے متعلق "معارف" کے شذرات میں مولانا پھول پوریؒ پر تعزیتی تحریر میں لکھتے ہیں: "حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ سے حضرت سید صاحب کی ارادت کے بعد مولانا مرحوم کو دار المصنفین کے لوگوں سے خاص تعلق ہو گیا تھا اور وہ یہاں اکثر تشریف لایا کرتے تھے"[2]۔ شاہ صاحب نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (م: ۲۴/ مئی ۱۹۸۲ء) کے نام ایک خط مؤرخہ ۳۱/ جولائی ۱۹۶۹ء میں دار المصنفین میں مولانا پھول پوریؒ کی تشریف آوری اور اُن سے اپنی ملاقاتوں کا تذکرہ اس طور پر کیا ہے: "مولانا عبد الغنی صاحب سے تو اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی، وہ دار المصنفین تشریف لایا کرتے تھے"[3]۔

---

[1] ابن الحسن قاسمی، حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، مصطفی لائبریری، مہراج گنج، یوپی، ۲۰۲۵ء، ص ۲۳۴-۲۳۵

[2] معارف [شذرات]، ۹۲/ ۳، ستمبر ۱۹۶۳ء، ص ۱۶۲

[3] محمد الیاس الاعظمی، شاہ معین الدین احمد ندوی- حیات و خدمات، ادبی دائرہ، اعظم گڑھ، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۷

اہلِ دار المصنفین سے مولانا پھول پوریؒ کے روابط اور دار المصنفین میں اُن کی تشریف آوری کی خاص وجہ واضح کرتے ہوئے مولانا ابن الحسن قاسمی تحریر کرتے ہیں:

حضرتِ والا کو آخری دور میں دار المصنفین اور وہاں کے لوگوں سے خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا اور اس تعلق کی بنیاد علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی تھے۔ ان دونوں حضرات کا تعلق حکیم الامّت نوّر اللہ مرقدہ سے ان کی آخری عمر میں قائم ہوا۔ اُس وقت حکیم الامّت زیادہ تر علیل رہنے لگے تھے، اس لیے انہوں نے اِن دونوں حضرات کو روحانی تربیت کے لیے حضرت پھول پوریؒ کے سپرد کر دیا۔ سید صاحب بھی حضرت پھول پوری کا شیخ کی طرح احترام کرتے تھے[۴]۔

مولانا تھانویؒ کے خلفاء میں جن علماء سے خاص طور سے مولانا سید سلیمان ندویؒ کی بیعت کے بعد تعلقات قائم ہوئے اُن کی نشان دہی شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

بعض علماء سے، جو مولانا اشرف علیؒ کے متوسلین میں سے تھے اُن (مولانا تھانویؒ) سے بیعت کے بعد (سید صاحب کے) تعلقات قائم ہوئے۔ اُن میں مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا عبد الغنی صاحب پھول پوری اور مفتی محمد حسن صاحب امر تسری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا عبد الغنی صاحب کا وطن ضلع اعظم گڑھ میں تھا، اس لیے وہ اکثر تشریف لاتے تھے۔ مولانا اشرف علیؒ کے متوسلین میں ڈاکٹر عبد الحی صاحب اور خواجہ عزیز الحسن غوری سے بھی خصوصی تعلقات تھے[۵]۔

یہاں یہ واضح رہے کہ شاہ صاحب نے اپنے ایک مضمون میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ سید صاحب کے مولانا تھانویؒ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہونے بعد مولانا تھانویؒ کے خلفاء میں خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ بھی دار المصنفین آتے رہے ۔ ۱۹۳۵ء میں لکھنؤ میں شاہ صاحب کی خواجہ عزیز الحسن صاحب سے اتفاقیہ ملاقات، اور ایک محفل میں ان کا کلام سن کر وہ ان کے گرویدہ اور ان سے ملنے کے مشتاق ہو گئے۔

خواجہ صاحب کے دیوان (وادی ایمن) پر تجزیاتی مطالعہ میں صاحبِ دیوان سے پہلی ملاقات کے تذکرہ میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ” اِس واقعہ کے چند برسوں بعد شیوخِ دار المصنفین

---

[۴] حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، محولہ بالا، ص ۱۵۰-۱۵۱

[۵] شاہ معین الدین احمد ندوی، حیاتِ سلیمان، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ء، ص ۵۰۶

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو گئے۔ اس تعلق سے خواجہ صاحب کئی مرتبہ دار المصنفین تشریف لائے اور یہ دولت گھر مل گئی، لیکن ”خوش درخشید ولے مستعجل بود“۔ افسوس کہ یہ دولت بہت جلد چھن گئی اور دار المصنفین کی آخری آمد کے چند ہی مہینوں بعد اگست ۱۹۴۴ء میں مجذوبِ حق واصل بحق ہو گیا“[۶]۔

مولانا ابو علی اثریؒ [عبد الباری] (م: ۳۰/ جون ۱۹۹۳ء) ایک طویل عرصہ تک دار المصنفین کے شعبۂ تصنیف و تالیف سے مصحح کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ سید صاحب کے مولانا تھانویؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کے بعد اُن کے بعض نامور خلفاء سے روابط اور مولانا پھول پوریؒ سے خصوصی تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> مولانا تھانوی سے ارادت کے بعد اُن کے خلفاء اور مجازینِ بیعت سے سید صاحب کے وسیع اور گہرے تعلقات ہو گئے تھے جن میں بعض بعض سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم تھا، اور بعض ”معارف“ کے قلمی معاون بھی تھے، اور ان کے مضامین سید صاحب بڑے شوق سے ”معارف“ میں شائع کرتے تھے۔ سید صاحب کبھی کبھی ان کے یہاں خود بھی تشریف لے جاتے تھے اور وہ بھی ان سے ملنے کے لیے دار المصنفین آتے تھے، اور باہم بڑی دلچسپ صحبتیں رہتی تھیں۔ مولانا عبد الغنی پھول پوری تو اُن کے روحانی مربّی تھے اور وہ برابر اُن کی تربیت کے لیے دار المصنفین آتے رہے[۷]۔

ایک طرف مولانا پھول پوریؒ کے تئیں سید سلیمان ندویؒ کا یہ ادب و احترام کہ مولانا ابن الحسن قاسمی کے بیان کے مطابق جب حضرت پھول پوری دار المصنفین تشریف لے جاتے تو سید صاحب حضرت والا کے سامنے اپنی لکھنے پڑھنے کی کرسی پر بھی ادب کی وجہ سے نہیں بیٹھتے[۸]۔ اور دوسری جانب مولانا پھول پوریؒ کا سید صاحب سے تعلقِ خاطر، محبت بھرا برتاؤ، اصلاح و تربیت کے کام سے گہرا شغف اور اُن کی اعلیٰ ظرفی کہ وہ اُن کی تربیت کے لیے خود دار المصنفین میں قدم رنجہ فرماتے تھے، جیسا کہ مولانا ابو علی اثریؒ کے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ واقعہ یہ کہ

---

[۶] شاہ معین الدین احمد ندوی، وادیِ ایمن (یعنی کلامِ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)، معارف، ۶۰/۱، جولائی، ۱۹۴۷ء، ص ۱۵-۱۶

[۷] ابو علی اثری، سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ، ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ، ۱۹۸۵ء، ص ۱۸۷

[۸] حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۵۱

یہ بزرگ علماء کے باہمی ادب و احترام، پُر خلوص محبت بھرے تعلقات اور ان کی اعلیٰ ظرفی کے لائقِ امتثال نمونے ہیں جن کی قدر و قیمت غرض سے بھری ملاقات و مدارات و نفسا نفسی کے موجودہ ماحول میں اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔

مولانا ابو علی اثریؒ کی مذکورہ بالا کتاب میں شامل ایک تحریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک دفعہ مولانا تھانویؒ کے متعدد ممتاز خلفاء (جن کے اسمائے گرامی مذکور نہیں ہیں) کو دار المصنفین میں مدعو کیا۔ گمانِ غالب ہے اور قرائن بتارہے ہیں کہ مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ ضرور ان میں شامل رہے ہوں گے۔ کئی روز اُن کے قیام کے دوران اصلاحی و تربیتی مجلسیں منعقد ہوئیں۔ شعر و شاعری میں دلچسپی رکھنے والے بعض خلفائے تھانویؒ نے حاضرین کو اپنے پُر سوز کلام سے بھی محظوظ کیا۔ یہ سب سرگرمیاں سید صاحب کے لیے موجبِ انبساط و مسرت بنیں۔ احاطۂ دار المصنفین میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مہمانان گرامی کے دورانِ قیام کی اِس روحانی فضا کا آنکھوں دیکھا حال صاحبِ تحریر نے ان الفاظ میں رقم فرمایا ہے: "مولانا تھانویؒ کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ سید صاحب نے اُن کے اکثر ممتاز اور نامور خلفاء کو دار المصنفین میں مدعو کیا تھا۔ تین چار روز تک ان کا قیام رہا۔ اُن کی موجودگی سے بڑی روحانی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ سید صاحب پر بہت غیر معمولی نشاط طاری تھا، جو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ مولانا عزیز الحسن صاحب غوری بڑے جذب و کیف کے ساتھ اپنا کلام ان تمام حاضرین کو سناتے تھے۔ ان کا کلام سننے کے لیے باقاعدہ مجلس بھی منعقد ہوتی تھی جس میں سبھی لوگ شریک ہوتے تھے، اور اُن کا کلام سن کر محظوظ ہوتے تھے"[9]۔

مولانا ابو علی اثریؒ کے اِس تاثر کے پس منظر میں، مولانا تھانویؒ کا ایک قول یاد آگیا، اسے یہاں نقل کرنا اہمیت سے خالی نہ ہوگا۔ ایک دفعہ مولانا تھانویؒ اپنے کچھ خلفاء و متوسلین (جن میں مولانا پھول پوریؒ بھی شامل تھے) کے ساتھ مشرقی یوپی کے بعض قصبات کے سفر پر تھے۔ ایک روز اُن کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ "میں بلا تصنع کہتا ہوں کہ مجھے اعظم گڑھ والوں سے خاص محبت ہے۔ مولوی عبد الغنی صاحب کے آنے سے میری ایک خاص کیفیت ہوتی ہے"[10]۔

---

(۹) ابو علی اثری، سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ، محولہ بالا، ص ۱۸۶

(۱۰) حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۰۷، بحوالہ اشرف المکتوبات، ص ۲۱۴

ناظم دارالمصنفین کی حیثیت سے سید سلیمان ندویؒ کے جانشیں مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ بھی مولانا پھول پوریؒ کے گہرے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ انہوں نے مولانا پھول پوری کی وفات پر ''معارف'' میں اپنی وفیاتی تحریر میں ان کے بارے میں اپنے تاثرات دل نشیں انداز میں ظاہر کیے ہیں۔ ان کے ذاتی احوال و کوائف، سلوک و تصوف میں اُن کے بلند مقام، ان کے اوصاف و خصائص (بالخصوص زہد و تقویٰ، احکامِ شریعت کی پابندی کا اہتمام اور دوسروں کو اس کی تاکید، سادگی و بے نفسی، تصنع و تکلف سے دوری) پر شاہ صاحب نے مؤثر پیرایہ میں روشنی ڈالی ہے اور ان کی دینی و علمی خدمات کو بھی مختصراً مگر جامع انداز میں اجاگر کیا ہے۔ ان سب کو پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مولانا پھول پوریؒ کی دینی و علمی خدمات، بالخصوص اُن کی اصلاحی و تربیتی کاوشوں کے بڑے قدرداں تھے۔ مزید یہ کہ مولانا پھول پوریؒ کی وفات پر ان کے نہایت قریبی مسترشد مولانا حکیم محمد اخترؒ (م: ۲؍جون ۲۰۱۳ء) کے نام خط میں شاہ صاحب نے مرحوم کی شخصیت کے روحانی پہلو سے متعلق جو احساسات سپرد قلم کیے تھے وہ مولانا پھول پوریؒ سے شاہ صاحب کے قلبی تعلق اور گہری عقیدت کی کھلی شہادت دے رہے ہیں، انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

مکرمی السلام علیکم

کل آپ کا خط ملا۔ اِس سے دو دن پیشتر اِس سانحہ کی خبر مل چکی تھی۔ اس حادثہ پر قلم سے اظہارِ تاثر نہیں کیا جاسکتا، اس کو صرف دل ہی محسوس کر سکتا ہے۔ گو مولانا نے طویل عمر پائی، لیکن اُن کی وفات سے رشد وہدایت کا ایک بڑا سرچشمہ خشک ہو گیا۔ ان کے پاکستان جانے ہی سے اعظم گڑھ خالی ہو گیا تھا۔ پھر بھی یہ اطمینان تھا کہ ابھی اُن کا سایہ قائم ہے، اب وہ بھی ختم ہو گیا۔ والبقاء للہ وَحدہٗ۔ اللہ تعالیٰ عالمِ آخرت میں اُن کے مدارج بلند فرمائے۔

والسلام آپ کا شریکِ غم

معین الدین

۲۰؍اگست ۱۹۶۳ء [۱۱]۔

شاہ صاحب کے اِس تعزیت نامہ سے نہ صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا پھول پوریؒ کی وفات پر وہ شدید رنج و غم سے دوچار ہوئے، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مولانا پھول پوریؒ کی

[۱۱] حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۲۸۰

اصلاحی و تربیتی سر گرمیوں کی قدر و قیمت بخوبی محسوس کرتے تھے اور وہ اس پہلو سے اُن کی وفات کو بہت بڑا خسارہ تصور کرتے تھے۔ ان سب کے علاوہ منقولہ بالا خط کی روشنی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا پھول پوریؒ کے کراچی میں سکونت پذیر ہو جانے کے بعد ان کی صحبت میں روز و شب کا اکثر حصہ بسر کرنے والے مولانا حکیم محمد اختر صاحب اور شاہ صاحب کے مابین مراسلت رہی ہے، اور اس طرح مولانا پھول پوریؒ سے بھی اُن کا ربط و تعلق قائم رہا۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے ایک قیمتی نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ ضرورت مندوں کو اُن کی جائز ضروریات (خواہ وہ دینی امور سے متعلق ہوں یا علمی سے یا اُن کا تعلق دنیوی معاملات سے ہو) کی تکمیل کے لیے تعاون دینا یا دنیا و آخرت کی بھلائی کے طلب گاروں کو مدد بہم پہنچانا اکابرِ دارالمصنفین کے امتیازات میں سے تھا۔ اسی طرح مطالعہ و تحقیق کے شائقین کو علمی تعاون سے نوازنا، انہیں مطلوبہ معلومات فراہم کرنا اور اُن کے علمی کاموں کی تکمیل کے لیے سہولتیں مہیّا کرنا، اور خود ادارے کے رفقاء اور محققین کا اپنی علمی صلاحیتوں کو نکھارنے یا پروان چڑھانے کے لیے اکیڈمی سے باہر کے ممتاز اہلِ علم و فن اور محققین سے رجوع کرنا اور اُن کا تعاون طلب کرنا اس عظیم علمی و تحقیقی مرکز اور اس کے ذمہ داران و کارکنان کی قدیم روایت رہی ہے۔ شکرِ الٰہی کی یہ روایات کسی نہ کسی صورت میں اب بھی زندہ و تابندہ ہیں۔ ابھی حالیہ دنوں میں پیشِ نظر تحریر تیار کرنے کے دوران بھی اس ناچیز راقم کو ادارہ کی اس روایت سے فیض پہنچا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں ہے کہ مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ کے افکار و خیالات اور اصلاحی و تربیتی نظام میں جس چیز نے اس راقم بے مایہ کو بہت زیادہ متأثر کیا وہ اپنے متوسّلین، مسترشدین اور خلفاء کو نصیحت کرتے ہوئے اس نکتے پر زور دینا تھا کہ روحانی ترقی کے حصول اور تصوف کی دنیا میں منزلِ مقصود تک پہنچ جانے کا دار و مدار روز مرّہ زندگی میں احکامِ شریعت پر عمل پر ہے۔ اپنے مریدین اور اصلاحِ حال کے طلب گاروں کو وہ بہت ہی واضح الفاظ میں یہ نصیحت فرماتے تھے کہ "درویشی سوائے تعلق مع اللہ کے اور کچھ نہیں ہے، اور وہ سب منحصر ہے احکاماتِ شرعیہ کی بجا آوری پر۔ جس قدر اہتمام کے ساتھ اس کو انجام دیا جائے اسی قدر زیادہ اثرات مرتب ہوتے ہیں"[۱۲]۔ اسی کے ساتھ مولانا پھول پوریؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ عباداتِ الٰہی اور

---

[۱۲] حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۸۱، بحوالہ تحریری یادداشت ڈاکٹر عبدالحی عارفی

ذکرِ الٰہی میں انہماک کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی راہِ سلوک و تصوف میں ترقی کے منازل طے کرنے کے لیے ضروری ہے(۱۳)۔ وہ اس فکر کے داعی تھے کہ اوراد و وظائف پر اکتفاء کرنا اور گناہوں سے بچنے کی کوشش نہ کرنا انسان کے لیے منزلِ مقصود تک رسائی میں مانع بنتا ہے۔ اُن کا واضح نقطۂ نظر تھا کہ ”ذکر کے نافع ہونے کے لیے معاصی سے پرہیز ضروری ہے“ (۱۴)۔

سچ یہ کہ مولانا پھول پوریؒ کے اِن افکارِ عالیہ کو تصوف کی دنیا کی ایک انقلابی آواز کہا جا سکتا ہے۔ اسی ضمن میں یہ اضافہ اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ ” حیاتِ سلیمان “ کے مصنف مولانا شاہ معین الدین ندویؒ نے اپنی کتاب کے جس حصہ میں سید سلیمان ندویؒ کی مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مراسلت، ملاقات، ان سے بیعت اور اُن کی بقیہ زندگی پر اس کے اثرات پر روشنی ڈالی ہے، اس کے لیے ذیلی سرخی ” روحانی انقلاب “ پسند کی ہے۔ اِس انقلاب کے اثرات میں انہوں نے مختصراً یہ ذکر کیا ہے: ” حضرت مولانا (اشرف علی تھانویؒ) کی طرف اُن کا رجحان ایک عرصے سے تھا۔ اُن سے خط و کتابت بھی رہتی تھی اور کبھی کبھی اُن کی خدمت میں حاضر بھی ہوتے تھے۔ لیکن باقاعدہ ارادت کا تعلق ۱۹۴۰ء میں قائم ہوا۔ اس کے بعد اُن کی زندگی میں بڑا انقلاب ہو گیا۔ گرچہ اس سے اُن کے علمی مشاغل میں فرق نہیں آیا، لیکن دین داری نے للّٰہیت اور زہد وورع کا رنگ اختیار کر لیا، عبادت و ریاضت بڑھ گئی، تقریر و تحریر نے پند و وعظ اور ارشاد و ہدایت کی شکل اختیار کر لی۔ اپنے منتسبین و تلامذہ کو تلقین فرماتے تھے کہ تصنیف و تالیف کا مقصد رضائے الٰہی ہونا چاہیے، اگر اخلاص و للّٰہیت نہ ہو تو محض علمی تلاش و تحقیق سے کیا حاصل؟ یہی نقطۂ نظر ہر عمل کے بارے میں پیدا ہو گیا تھا“(۱۵)۔ یہاں یہ ذکر بھی برمحل معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ (جن کے فیضِ تربیت سے سید صاحب عمر کے آخری حصہ میں مشرف ہوئے تھے) کے تصورِ ذکرِ الٰہی پر بحث کے آخر میں مولانا ابن الحسن قاسمی نے ملفوظاتِ پھول پوری کے حوالہ سے اُن کا یہ قول نقل کیا ہے: ”حاصل یہ ہے کہ ہر وقت ظاہراً باطناً اپنے کو مرضیِ الٰہی کے مطابق رکھنا اصل فقیری اور ذکر ہے“(۱۶)۔

---

(۱۳) حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۹۰

(۱۴) حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۸۷/ مستفاد از: ملفوظات، ص ۳۶

(۱۵) حیاتِ سلیمان، محولہ بالا، ص ۵۳۵-۵۳۶

(۱۶) حیاتِ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، ص ۱۸۹/ مستفاد از: ملفوظات، ص ۸۷

جامعات میں اردو سیرت نگاری پر تحقیق کے رجحان کا مطالعہ

(پاکستان اور ہندوستان کے تناظر میں)

پروفیسر دلاور خاں[1]

نوشاد عالم چشتی[2]

naushadchishti@gmail.com

ہندوپاک کی مختلف جامعات میں سیرت کے مختلف موضوعات پر اردو زبان میں مختلف تعلیمی اسناد کے لیے بہت سے علمی و تحقیقی مقالے لکھے گئے اور اب بھی لکھے جا رہے ہیں۔ سیرت کے ہر ہر پہلو پر جامعات میں تحقیق ہو رہی ہے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان کی جامعات میں سیرت کے مختلف گوشوں پر اردو زبان میں بہت معیاری اور کافی کام ہوا ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان کی جامعات میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر نہایت قلیل پیش رفت ہوئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کی سبھی جامعات میں شعبہ علوم اسلامی مختلف ناموں سے قائم ہے۔ ان کے علاوہ پاکستانی جامعات میں اردو، انگریزی اور دیگر علاقائی زبانوں میں سیرت پر مقالہ نگاری کی سہولت میسر ہے۔

ہندوستان میں صرف جامعہ ہمدرد نئی دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مولانا آزاد اردو یونیورسٹی حیدرآباد، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، عالیہ یونیورسٹی کولکتہ، ڈاکٹر عبدالحق اسٹیٹ اردو یونیورسٹی، کرنول، آندھرا پردیش اور ریاست جموں کشمیر کی کئی جامعات میں شعبہ ہائے علومِ اسلامی قائم ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے علاوہ فیکلٹی آف دینیات کے تحت سنی دینیات اور شیعہ دینیات کے شعبے قائم ہیں۔ ان جامعات میں سے بعض میں تحقیق و تدریس کی زبان صرف انگریزی ہے اور کچھ میں انگریزی کے ساتھ اردو میں بھی مقالے لکھے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں ان جامعات کے علاوہ دیگر سینٹرل اور اسٹیٹ لیول کی جامعات بھی ہیں جن کی ایک طویل فہرست ہے۔ ہندوستان کی بہت ساری یونیورسٹیوں میں

[1] پرنسپل، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ایجوکیشن سٹی، ملیر کراچی۔

[2] فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

شعبہ ہائے اردو بھی موجود ہیں مگر ان سب کے باوجود ہندوستان کے مقابلے میں پاکستانی جامعات کے علوم اسلامی اور اردو کے شعبوں میں سیرت النبی ﷺ پر مختلف جہات سے معیاری وتحقیقی کام ہوا ہے۔ پاکستانی جامعات میں سیرت کے دینیاتی، سماجی، سیاسی اور اس کے کثیر الجہات گوشوں پر تحقیقی مقالے بہت معیاری انداز میں لکھے گئے ہیں۔ اس مقالے میں ہند و پاک کی جامعات میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر اردو میں تحریر شدہ کچھ مقالہ جات کا ڈیٹا پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ جامعات میں سیرت النبی ﷺ کے مطالعے کی صورتحال معلوم کی جاسکے۔

مقاصد تحقیق:

(۱) اردو میں سیرت النبی ﷺ پر لکھے گئے تحقیقی مقالہ جات کے رجحان کا تعین کرنا۔

(۲) سیرت نگاری کے جدید رجحانات کی نشان دہی کرنا۔

(۳) سیرت النبی ﷺ کے فروغ میں جامعات کا جائزہ لینا۔

(۴) آئندہ تحقیق کے لئے سفارشات پیش کرنا۔

(۵) سیرت پر جامعات کی سطح پر لکھے گئے مقالہ جات کی بنیاد پر انسائیکلوپیڈیا کی تدوین کی ترغیب دینا۔

تحقیقی سوالات:

(۱) جامعات میں اردو سیرت نگاری پر تحقیق کی نوعیت کیا ہے؟

(۲) کون سے موضوعات ہیں جن پر جامعات میں زیادہ تحقیق کی گئی ہے؟

(۳) کس سطح (بی اے، ایچ ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی) پر زیادہ مقالہ جات لکھے گئے ہیں؟

(۴) سیرت نگاری میں اعتقادی اور اطلاقی پہلو میں کس کا تناسب زیادہ ہے؟

(۵) جامعات میں سیرت نگاری کی روایت کو کس طرح مستحکم کیا جاسکتا ہے؟

تحقیقی دائرہ کار:

کل مقالہ جات کی تعداد ۹۲ ہے جن میں بڑی تعداد ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالہ جات کی ہے۔ پاکستان کی اہم جامعات جیسے پنجاب یونیورسٹی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، فیصل آباد یونیورسٹی، بہاولپور یونیورسٹی، اور پشاور یونیورسٹی وغیرہ کی نمائندگی شامل ہے جب کہ ہندوستان کی

جامعات میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، حیدرآباد سینٹرل یونیورسٹی، ایم ڈی یونیورسٹی اجمیر، جی کے یونیورسٹی شیموگہ کرناٹک، بنارس ہندو یونیورسٹی، سن رائز یونیورسٹی الور راجستھان، پنجاب یونیورسٹی پٹیالہ پنجاب اور یونیورسٹی آف کشمیر ہندوستان کو شامل کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق: اس تحقیق میں تجزیاتی، شماریاتی اور سروے طریقۂ تحقیق کا اطلاق کیا گیا ہے۔ آرکائیو، ڈیجیٹل لائبریریز اور Thesis Asian indexing.com سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نیز مختلف لائبریریوں اور محققین سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۳۔ جواز تحقیق: اس تحقیق سے سیرت نگاران، محققین، نصاب ساز، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے ریسرچ اسکالرز، سیرت پر ریسرچ کرنے والے ادارے، جدید میڈیا اور پبلیشرز استفادہ کرسکیں گے۔

۴۔ تحدید تحقیق: یہ ایک وسیع موضوع ہے۔ اس مختصر مقالے میں پورے پاک و ہند کی جامعات میں لکھے گئے تمام مقالہ جات کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس مشکل کے پیش نظر تحقیقی مواد کے حصول اور بروقت تکمیل کے لیے اس کی تحدیدیوں کی گئی ہے کہ پاک و ہند کی معروف جامعات میں لکھے گئے سیرت النبی ﷺ پر منتخب مقالہ جات کو زیر بحث لایا گیا ہے یعنی منتخب جامعات کے منتخب مقالہ جات کو موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔

۵۔ متعلقہ تحقیقی ادب کا مطالعہ: متعلقہ تحقیقی ادب کا مطالعہ کسی بھی تحقیقی مقالے یا ریسرچ پروجیکٹ کا نہایت اہم حصہ ہوتا ہے۔ اس میں محقق اس موضوع سے متعلق پہلے سے کی گئی تحقیق، نظریات، کتب، مقالہ جات، جرائد اور دیگر مصادر کا مطالعہ اور تجزیہ کرتا ہے۔ پہلے سے موجود مواد کا جائزہ لیا جاتا ہے، تحقیق کے خلا کی شناخت کی جاتی ہے اور طے کیا جاتا ہے کہ نئے مطالعہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کیوں کہ تحقیق ایک مسلسل اور مربوط عمل ہے، اس لئے نئی تحقیق کو سابقہ تحقیق سے مربوط کرکے نئے مقالے کا آغاز کیا جاتا ہے۔

سیرتی ادب کے مطالعہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس سے متعلق کتابیات اور اشارات سیرت پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو محقق آسانی سے اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے مقالے کے آغاز سے پہلے سیرتی ادب سے متعلق کتابیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ حافظ محمد عارف گھانچی۔ جدید اردو کتابیات سیرت، دارالعلم والتحقیق، کراچی؛ شیر نوروز خاں، ذخیرہ کتب سیرت،

قومی سیرت لائبریری و مرکز تحقیق، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد؛ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، قاموس الکتب کراچی، جلد اول؛ مجلس اسلامیات، فہرست کتب سیرت؛ نمائش کتب، اسلامیہ کالج، لاہور؛ شفیق بریلوی، سیرت طیبہ پر اردو کتابیں؛ ماہ نامہ خاتون پاکستان، کراچی، سیرت نمبر ۱۹۴۶؛ شیخ مبارک محمود، سلسلۂ کتابیات رسول ﷺ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۲، نیشنل بک کونسل پاکستان؛ پروفیسر حمید اللہ، مشرقی زبانوں میں ذخیرہ سیرت؛ ماہ نور کراچی، سیرت نمبر، جولائی ۱۹۸۳ء؛ حافظ بشیر حسین خادم، اردو نثر میں ذخیرہ سیرت، ماہ نامہ فاران، کراچی، دسمبر ۱۹۸۴ء؛ ادارۂ تحقیقات اسلامی، فہرست قومی نمائش کتب سیرت، اسلام آباد؛ پروفیسر حفیظ تائب، کتابیات سیرت رسول ﷺ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۸۷ء نیشنل بک کاؤنسل پاکستان؛ حافظ حبیب احمد، سیرت النبی ﷺ سے متعلق فہرست کتب، مکتبہ سید احمد شہید، لاہور؛ ڈاکٹر عزیز الرحمان۔ جامع اردو کتابیات سیرت، ایوان سیرت، زوار اکیڈمی کراچی، جلد اول، دوم۔ یہ کتابیات سب سے ضخیم ہے جس میں دس ہزار کتب سیرت کا اندراج کیا گیا ہے۔

اس ذخیرہ کتابیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ پاک و ہند کے جامعات میں ہزاروں مقالے قلم بند کیے گئے ہیں لیکن تاحال کسی محقق نے ان مقالہ جات کی کتابیات ترتیب نہیں دی اس لئے یہ تحقیقی خلا برقرار ہے۔

۶۔ مسلۂ تحقیق کا بیان: متعلقہ سابقہ تحقیقی ادب کے جائزہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ جامعات میں سیرتی ادب کے رجحان معلوم کرنے کے لیے کتابیات دستیاب نہیں۔ اس خلا کو پر کرنے کے لیے اس موضوع تحقیق کا انتخاب کیا گیا ہے: جامعات میں اردو سیرت نگاری پر تحقیق کے رجحان کا مطالعہ (پاکستان اور ہندوستان کے تناظر میں)۔

۷۔ تحقیقی مواد کی پیش کش: مقالے کے اس حصے میں پاک و ہند کے جامعات میں سیرت النبی ﷺ پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالہ جات کا مختصر اشاریاتی مواد پیش کیا جائے گا۔

۸۔ نمونہ سازی: نمونہ سازی کے کئی اقسام ہیں اور مقالے کے مطلوبہ قارئین کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کا مکمل احاطہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے مقالے کے تقاضے کے پیش نظر نمونہ سازی کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جن ذرائع سے جو بھی ڈیٹا آسانی سے دستیاب ہوسکے اسے حاصل کیا گیا ہے۔

پاکستانی جامعات میں مقالہ جات کا ڈیٹا

۱۔منکرین حدیث کی اردو سیرت نگاری کا تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : محمد ظہیر احمد

مقالہ برائے : ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر شیر علی

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان

۲۔اکیسویں صدی میں اردو سیرت نگاری: تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : مریم عابد

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر نائلہ صفدر

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج ،یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۳۔سیرت طیبہ کا معاشی پہلو:اردو سیرت نگاری کا جائزہ

مقالہ نگار : ناصرہ اکبر

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آ ف دی پنجاب لاہور، پاکستان

۴۔ اردو سیرت نگاری میں جماعت اسلامی کی خدمات کا جائزہ

مقالہ نگار : محمد عارف سعید

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر ساجد اقبال

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی آف سرگودھا، پاکستان

۵۔اردو سیرت نگاری کا قرآنی اسلوب: تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : صفدر علی

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، پاکستان

۶۔اصول سیرت نگاری: اردو ادب کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : وجیہہ شہزادی

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد نعیم حافظ

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۷۔ حیات رسول امی کی سیرت نگاری کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

مقالہ نگار : حافظ محمد عارف

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر حافظ عبد الغفور

تحقیقاتی مرکز: بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان

۸۔ سیرت نگاری میں اصول درایت کے استعمال کا تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : عطاء اللہ

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

نگراں : ڈاکٹر حافظ عبد الغفور

تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف پیشاور، پاکستان

۹۔ ڈاکٹر طاہر القادری کے منہج سیرت نگاری کا تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : ارشاد حسین

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد سلطان کھوکھر

تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورستی ملتان، پاکستان

۱۰۔ اردو سیرت نگاری کا ارتقاء

مقالہ نگار : حاجی محمد ڈوگر

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر شبیر احمد صدیقی

تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف پنجاب لاہور، پاکستان

۱۱۔ اردو سیرت نگاروں کے اصول سیرت کا علمی و تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : صبا رفیق

مقالہ برائے: بی اے۔ ایچ ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد نعیم انور

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج ، یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۱۲۔ غیر مسلم مصنفین کا سیرت نگاری کے اسلوب و منہج کا تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : سہیل رضا

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر ابرار محی الدین

تحقیقاتی مرکز: اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان

۱۳۔ اصول سیرت نگاری کی روشنی میں ضیاالنبی کا تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : سید غضنفر حسین

مقالہ برائے : ایم۔اے ڈگری

تحقیقاتی مرکز: اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان

۱۴۔ اردو میں تاریخ سیرت نگاری کا تحقیقی و تقابلی مطالعہ

مقالہ نگار : عبدالعلیم یزدانی

مقالہ برائے : ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر حافظ محمد نعیم

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۱۵۔ اصول سیرت نگاری: مقدمات کتب سیرت کا تحقیقی و تقابلی جائزہ

مقالہ نگار : ثوبیہ بخاری

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : محمد حامد رضا

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۱۶۔ اردو میں سیرت نگاری کا ارتقاء

مقالہ نگار : شائستہ بانو

مقالہ برائے: ایم۔اے ڈگری

نگراں : ڈاکٹر عبدالحی صدیقی

تحقیقاتی مرکز: اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان

۱۷۔ بچوں کے لیے سیرت نگاری: اردو ادب کا مطالعہ

مقالہ نگار : سنبل جبیں

مقالہ برائے: ایم۔اے ڈگری

نگراں : ڈاکٹر شاہدہ پروین

تحقیقاتی مرکز: پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۱۸۔ اردو کتب سیرت میں شمائل نگاری کے اسلوب و منہج کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : تسمیہ کرامت

مقالہ برائے : بی اے۔ایچ ڈگری
نگراں : ڈاکٹر عمر حافظ محمد نعیم
تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج ،یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۱۹۔سیرت نگاری کے جغرافیائی اسلوب کا تحقیقی مطالعہ
مقالہ نگار : نازیہ ممتاز
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : ڈاکٹر عمر حیات
تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۲۰۔سیرت نگاری پر اہل بیت عظام کے اثرات کا علمی و تحقیقی جائزہ
مقالہ نگار : ظفر حسین
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : ڈاکٹر عبد القادر سلیمان
تحقیقاتی مرکز: پشاور یونیورسٹی پشاور، پاکستان

۲۱۔برصغیر میں علامہ شبلی نعمانی کی سیرت نگاری پر تنقیدات کا تحقیقی جائزہ
مقالہ نگار : نمرہ نصیر
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
نگراں : ڈاکٹر حافظ محمد نعیم
تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۲۲۔جھنگ میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ
مقالہ نگار : نعمت اللہ خاں
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
نگراں : ڈاکٹر محمد حامد رضا
تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج ،فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۲۳۔نور بخش توکلی کی سیرت نگاری کا تحقیقی مطالعہ
مقالہ نگار : صوفیہ درویش
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
نگراں : ڈاکٹر فریدہ یوسف
تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، پاکستان

۲۴۔اسلوب سیرت نگاری کا تقابلی جائزہ
مقالہ نگار : محمد سہیل حسن
مقالہ برائے: ایم۔اے ڈگری
نگراں : ڈاکٹر محمد اکرم رانا
تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان

۲۵۔ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی کی سیرت نگاری کا جائزہ
مقالہ نگار : عبید اللہ
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
نگراں : ڈاکٹر شیر علی
تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۲۶۔علمائے لدھیانہ کی سیرت نگاری میں خدمات کا جائزہ
مقالہ نگار : ستار جبین
نگراں : ڈاکٹر عبد الرحمن خالد
تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور، پاکستان

۲۷۔ غلام احمد پرویز کی سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ

مقالہ نگار : احمد رضا رانا

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد سلطان شاہ

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج،لاہور یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

۲۸۔ اہم اردو کتب سیرت کی روشنی میں شمائل نبوی کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : رخسانہ غلام رسول

مقالہ برائے: ایم۔اے ڈگری

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج، فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۲۹۔ ضلع سرگودھا میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : ملک عاصم محمود

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

تحقیقاتی مرکز: سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا، پاکستان

۳۰۔ فیصل آباد میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : محمد اشرف

مقالہ برائے: ایم۔فل

نگراں : ڈاکٹر محمد حامد

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج،فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۳۱۔ سیرت نگاری میں فقہ السیرۃ کے اسلوب کا تحقیقی، تنقیدی، تقابلی جائزہ امہات کتب سیرت کی روشنی میں

مقالہ نگار : حافظ محمد نعیم

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج ، فیصل آبادی یونیورسٹی، پاکستان

۳۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اردو سیرت نگاری

مقالہ نگار : عائشہ مریم

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

تحقیقاتی مرکز: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

۳۳۔ اردو سیرت نگاری پر متجددانہ فکر کے اثرات

مقالہ نگار : معظم علی

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر اختر حسین عزمی

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۳۴۔ استشراقی فکر کے اردو سیرت نگاری پر اثرات

مقالہ نگار : معظم علی

نگراں : ڈاکٹر اختر حسین عزمی

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج ،فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۳۵۔ پاکستان میں بچوں کے لیے اردو سیرت نگاری

مقالہ نگار : ام سلمیٰ

مقالہ برائے: ایم-فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد عبداللہ

تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف پنجاب لاہور، پاکستان

۳۶۔ مولانا شبلی نعمانی کی سیرت نگاری پر ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کے نقد کا تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : حافظہ ماریہ جبیں

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر رضیہ شبانہ

تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان

۳۷۔ موضوعاتی سیرت نگاری پر پاکستان میں ہونے والے کام کا تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : مسرت شوکت

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر نور الدین جامی

تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان

۳۸۔ سیرت النبی کی اردو کتابوں کا تنقیدی جائزہ

مقالہ نگار : نجمہ کوثر

مقالہ برائے : ایم۔اے ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر

تحقیقاتی مرکز: اسلامیہ یونیورسٹی ،بہاولپور، پاکستان

۳۹۔ الروض الانف اور بیسویں صدی کی اردو سیرت نگاری کا تقابلی مطالعہ

مقالہ نگار : نائلہ صفدر

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

تحقیقاتی مرکز: فیصل آباد یونیورسٹی، پاکستان

۴۰۔ اردو سیرت نگاری میں خواتین کا حصہ اور کردار

مقالہ نگار : نازیہ ریاض

مقالہ برائے: ایم۔اے ڈگری

نگراں : ڈاکٹر شاہدہ پروین

تحقیقاتی مرکز: پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۴۱۔ اردو میں سیرت نگاری کا محدثانہ اسلوب۔ تعارفی مطالعہ

مقالہ نگار : عاصمہ اشرف

مقالہ برائے: ایم۔اے ڈگری

نگراں : ڈاکٹر عتیق امجد

تحقیقاتی مرکز: پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۴۲۔ پاکستان میں اردو منظوم سیرت نگاری کا تاریخی مطالعہ

مقالہ نگار : محمد ادریس توقیر

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر منیر احمد

تحقیقاتی مرکز: اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان

۴۳۔ سیرت نگاری میں امام بیہقی کے منہج، اسلوب کا تحقیقی جائزہ: دلائل النبوۃ کی روشنی میں

مقالہ نگار : راشد احمد

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

تحقیقاتی مرکز: پشاور یونیورسٹی، پاکستان

۴۴۔ مستشرقین کے افکار کے تناظر میں برصغیر میں سیرت نگاری کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : رضیہ شبانہ

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

نگراں : ڈاکٹر نور الدین جامی

تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان

۴۵۔ محمود احمد ظفر کی سیرت نگاری: اسلوب و منہج کا جائزہ

مقالہ نگار : عمر شریف

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، پاکستان

۴۶۔ سید سلیمان ندوی کی سیرت نگاری کا جائزہ: بحوالہ سیرۃ النبی

مقالہ نگار : رفعت سعید

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف ہیلتھ سائنسز

۴۷۔ مولانا ادریس کاندھلوی اور مولانا شبلی نعمانی کی سیرت نگاری کا ایک تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : حمیرا جبیں

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر عبد القادر بزدار

تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورستی ملتان، پاکستان

۴۸۔ اردو کتب سیرت کے مقدمات کی ابحاث کا تقابلی جائزہ

مقالہ نگار : زبیر احمد

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد اکرم رانا

تحقیقاتی مرکز: منہاج یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۴۹۔ سیرت نگاری میں علامہ زرقانی کے منہج واسلوب کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : منیب احمد

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

تحقیقاتی مرکز: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

۵۰۔ سیرت نگاری میں امام ابوسعد عبد الملک نیشاپوری کے منہج کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : محمد ریاض خاں

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

تحقیقاتی مرکز: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

۵۱۔ سیرت النبی کی اہم تواریخ کا تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : محمد جمیل الرحمان

مقالہ برائے: ایم۔اے ڈگری

نگراں : ڈاکٹر امان اللہ خان

تحقیقاتی مرکز: پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

۵۲۔ برصغیر میں اردو سیرت نگاری قرآن حکیم کی روشنی میں

مقالہ نگار : محمد امجد

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد سلطان شاہ

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج، لاہور یونیورسٹی، پاکستان

۵۳۔ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے اصول سیرت نگاری کا تحقیقی وتقابلی جائزہ

مقالہ نگار : محمد حامد رضا

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر عبد القدوس صہیب
تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان

۵۴۔ سید فضل الرحمن کی سیرت نگاری: ایک تحقیقی جائزہ
مقالہ نگار : سعدیہ وکیل
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
نگراں : ڈاکٹر حافظ فدا حسین
تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان

۵۵۔ سیرت طیبہ کے مکی دور کا تحقیقی جائزہ
مقالہ نگار :
مقالہ برائے:
نگراں :
تحقیقاتی مرکز: اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان

۵۶۔ علامہ محمد نور بخش توکلی کی سیرت نگاری (مطالعاتی و تحقیقی جائزہ)
مقالہ نگار : محمد ندیم القادری
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ کالج فیصل آباد یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

۵۷۔ برصغیر پاک و ہند میں سیرت نگاری کے رجحانات
مقالہ نگار : محمد شکیل صدیقی
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : محمد صابر
تحقیقاتی مرکز: انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

۵۸۔ اردو سیرت نگاری کا قرآنی اسلوب: تحقیقی مطالعہ
مقالہ نگار : صفدر علی
مقالہ برائے: ایم۔فل
تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، پاکستان

۵۹۔ سیرت النبی ﷺ: برصغیر کے مسیحی سکالرز کی علمی کاوشوں کا علمی جائزہ
مقالہ نگار : محمد طیب
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : عبد الرؤف ظفر
تحقیقاتی مرکز: اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، پاکستان

۶۰۔ برصغیر کے ہندو اور سکھ سیرت نگاروں کے کام کا تحقیقی مطالعہ
مقالہ نگار : حافظ محمد نعیم
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
نگراں : محمد باقر خاں خاکوانی
تحقیقاتی مرکز: علامہ اقبال اوپین یورنیوسٹی، اسلام آباد، پاکستان

۶۱۔ ہندو سیرت نگاروں کا سیرت نگاری میں حصہ
مقالہ نگار : نجمہ راہی
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
نگراں : محمد ادریس لودھی
تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، پاکستان

۶۲۔ اردو سیرت نگاری میں خواتین کی خدمات

۲۰۱۰ تا عصر حاضر: ایک تجزیاتی مطالعہ
مقالہ نگار : مصباح عمر
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
تحقیقاتی مرکز: یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور، پاکستان

۶۳۔اردو میں منظوم سیرت نگاری ۱۹۴۷ء تک
مقالہ برائے: طاہر اقبال
مقالہ برائے:
نگراں :
تحقیقاتی مرکز: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

۶۴۔ منتخب اردو کُتب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقابلی مطالعہ
مقالہ نگار : جمیلہ خانم
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : فیصل احمد
تحقیقاتی مرکز: جناح یونیورسٹی برائے خواتین، کراچی، پاکستان

۶۵۔پاکستان میں اردو سیرت ادب۔ تحقیقی مطالعہ
مقالہ نگار : طاہر عبد القدوس
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
تحقیقاتی مرکز: پنجاب یونیورسٹی،لاہور، پاکستان

۶۶۔ اردو سیرت نگاری میں مسلکی رجحانات کے اثرات اور عصری تقاضے
مقالہ نگار : امیر نواب خان
مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری
تحقیقاتی مرکز: پنجاب یونیورسٹی،لاہور، پاکستان

۶۷۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ بطور سیرت نگار
مقالہ نگار : فاروق احمد
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : محمد گجر خان غزل کاشمیری
تحقیقاتی مرکز: اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، پاکستان

۶۸۔سکھ دھرم پر سیرت نبوی کے اثرات
مقالہ نگار : انعام اللہ
مقالہ برائے : ایم۔فل ڈگری
تحقیقاتی مرکز: پیشاور یونیورسٹی، پیشاور، پاکستان

۶۹۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔روایتِ صحابیات۔ تخریج و تحقیق
مقالہ نگار : خاور سلطانہ
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : ڈاکٹر شبیر احمد منصوری
تحقیقاتی مرکز: جامعہ پنجاب لاہور، پاکستان

۷۰۔ برصغیر میں سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ (مستشرقین کے افکار کے تناظر میں)
مقالہ نگار : رضیہ شبانہ
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : ڈاکٹر نور الدین جامی
تحقیقاتی مرکز: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، پاکستان

۷۱۔ سیرت النبی کی عصری اور بین الاقوامی اہمیت اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے منشور کے تناظر میں (ایک تحقیقی مطالعہ)
مقالہ نگار : سید مظفر حسین
مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری
نگراں : ڈاکٹر زاہد علی زاہدی

تحقیقاتی مرکز: کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، پاکستان

۷۲۔ بیسویں صدی میں برصغیر کی اسلامی تحریکات کے اردو سیرت نگاری پر اثرات

مقالہ نگار : حافظ محمد حسن سعید

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق احمد گوندل

تحقیقاتی مرکز: شیخ زاہد اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور، پاکستان

پاکستانی جامعات کے شعبہ اردو کا ڈیٹا

۷۳۔ اردو میں سیرت نبوی کا سرمایہ

مقالہ نگار : عبدالجبار خاں

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی

تحقیقاتی مرکز: شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، سندھ، پاکستان

۷۴۔ اردو نثر میں سیرت رسول

مقالہ نگار : انور محمود خالد

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

تحقیقاتی مرکز: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

ہندوستانی جامعات سے کی گئی سیرت پر پی ایچ۔ڈی مقالات کا ڈیٹا

۷۵۔ اردو میں سیرت طیبہ پر علمائے ہند کی تصانیف

مقالہ نگار : نشاط احمد عمری

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

تحقیقاتی مرکز: حیدر آباد سینٹرل یونیورسٹی، حیدر آباد، تلنگانہ، ہندوستان

۷۶۔ اردو ادب میں سیرت نگاری کا ارتقاء

مقالہ نگار : محمد حسن

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : ڈاکٹر رفعت اختر خاں

تحقیقاتی مرکز: گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، ٹونک - الحاق شدہ مہرشی دیانند سرسوتی یونیورسٹی، اجمیر، راجستھان

۷۷۔ بیسویں صدی میں ہند کے اردو سیرت نگاران رسول

مقالہ نگار : سید قدیر عبدالرحمن

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : ڈاکٹر سید شاہ مدار

تحقیقاتی مرکز: شعبہ اردو گنانہ سہیادری کوئمپو یونیورسٹی، شموگہ، کرناٹک، ہندوستان

۷۸۔ اسلامی تہذیب، سیرت سنت کی روشنی میں

مقالہ نگار : مرشد عثمانی

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : پروفیسر سعود عالم قاسمی

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ سنی دینیات، اے۔ایم۔یو، علی گڑھ۔

۷۹۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی دستاویزات ایک تحقیقی جائزہ۔

مقالہ نگار : ظفر دارک

مقالہ برائے: ایم۔فل ڈگری

نگراں : ڈاکٹر مفتی زاہد علی خاں

تحقیقاتی مرکز: شعبہ سنی دینیات، اے

ایم۔یو، علی گڑھ۔

۸۰۔ ہندی زبان کی کتب سیرت کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار : سلمیٰ بی

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی،ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد محبوب الرحمٰن

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ سنی دینیات،اے ایم۔یو، علی گڑھ۔

۸۱۔ عہد رسالت میں دعوتی تعلیمی اور تربیتی نظام۔ ایک تحقیقی مطالعہ۔

مقالہ نگار : گل ناز فاطمہ

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد محبوب الرحمن

تحقیقاتی مرکز: شعبہ سنی دینیات،اے ایم۔یو علی گڑھ

۸۲۔ مکّی زندگی میں دعوت وتبلیغ ایک تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : محمد شاداب خاں

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : پروفیسر توقیر عالم فلاحی

تحقیقاتی مرکز: شعبہ سنی دینیات، اے ایم۔یو، علی گڑھ۔

۸۳۔ ہندوستان میں انگریزی سیرت نگاری: ایک تحقیقی مقالہ

مقالہ نگار : ماجد احمد

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : پروفیسر سلیم قاسمی

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ سنی دینیات ، اے ایم۔یو، علی گڑھ۔

۸۴۔ معجزات نبوی کتب سیرت اور احادیث کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : اسما پروین

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ سنی دینیات،اے ایم۔یو، علی گڑھ۔

۸۵۔ سیرت نگاری میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کی خدمات-ایک تحقیقی جائزہ

مقالہ نگار : نغمہ پروین

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی ڈگری

نگراں : ڈاکٹر محمد راشد

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ سنی دینیات،اے ایم۔یو، علی گڑھ۔

۸۶۔ بیسویں صدی کی اردو کتب سیرت کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار : کہکشاں خانم

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

نگراں : پروفیسر توقیر عالم فلاحی

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ سنی دینیات، اے ایم۔یو، علی گڑھ۔

۸۷۔ سیرت لٹریچر میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی خدمات

مقالہ نگار : محمد طالب خاں

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

نگراں : پروفیسر سعود عالم قاسمی

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ سنی دینیات، اے ایم۔یو، علی گڑھ۔

۸۸۔ علمائے ہند کی عربی سیرت نگاری

مقالہ نگار : حافظ توقیر احمد

مقالہ برائے: ایم۔فل

نگراں : ڈاکٹر محمد یوسف

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ عربی، اے ایم۔یو، علی گڑھ

۸۹۔ شبلی بحیثیت سیرت نگار۔

مقالہ نگار : ظفر احمد صدیقی

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

نگراں : پروفیسر حنیف نقوی

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ اردو، بی ایچ۔یو، بنارس

۹۰۔ اردو زبان میں سیرت نگاری کی ابتداء وارتقاء کی تاریخ (ایک تحقیقی، تنقیدی اور تاریخی مطالعہ)

مقالہ نگار : نوشاد عالم

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

نگراں : ڈاکٹر تسنیم فاطمہ

تحقیقاتی مرکز: شعبۂ اردو، سن رائز یونیورسٹی، الور، راجستھان

۹۱۔ اردو میں سیرت نگاری کا مطالعہ ادب کے آئینے میں

مقالہ نگار : شہوید میر

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

نگراں : ڈاکٹر روبینہ

تحقیقاتی مرکز: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، پٹیالہ، ہندوستان

۹۲۔ اردو سیرت نگاری ۱۹۶۰ تا ۲۰۱۰

مقالہ نگار : محمد اشرف

مقالہ برائے: پی ایچ۔ڈی

نگراں : ڈاکٹر میر منصور احمد

تحقیقاتی مرکز: شعبہ اردو، یونیورسٹی آف کشمیر، ہندوستان۔

تجزیہ اور بحث:

پاکستانی جامعات کے مقالہ جات کی تعداد:۷۴

ہندوستانی جامعات کے مقالہ جات کی تعداد:۱۸

کل مقالہ جات کی تعداد:۹۲

مقالہ جات کی موضوعاتی درجہ بندی:

موضوعاتی زمرہ	مقالہ جات کی تعداد	فیصد تناسب
فقہی سیرت	۶	۸٪
شمائل وخصائل	۵	۷٪
سیرت وخواتین	۶	۷٪
سیرت برائے اطفال	۴	۶٪
علاقائی سیرت	۱۰	۱۴٪
مستشرقین وغیر مسلم مصنفین	۴	۶٪
ادبی اسلوب (قرآنی، نثری، منظوم)	۱۰	۱۴٪
سیرت وجدید تحریکات	۶	۸٪
شخصیات کی سیرت نگاری (شبلی، طاہر، حمید)	۱۰	۱۴٪
تاریخی ارتقاءواصول سیرت نگاری	۹	۱۳٪

کل موضوعات: ۱۰

کل تخمینہ ۷۴۔۹۲

زمانی تقسیم:

رجحان	مقالہ جات کی تعداد	دہائی
ابتدائی رجحان، محدود مقالے	۵-۷	۱۹۹۰-۱۹۹۹
تحقیق میں اضافہ	۱۲-۱۵	۲۰۰۰-۲۰۰۹
تحقیقی عروج	۳۰+	۲۰۱۰-۲۰۱۹
وسعت، تنوع اور جدید پہلو	۲۰+	۲۰۲۰-۲۰۲۵

نتائج و سفارشات

(۱) ۲۰۱۰ کی دہائی اردو سیرت نگاری کی سب سے بھرپور دہائی رہی۔

(۲) موضوعاتی وسعت اب سماجی، فکری علاقائی، اور صنفی پہلو تک پھیل چکی ہے۔

(۳) سیرتی ادب اب صرف سوانح نہیں بلکہ تحریکی، تنقیدی اور نظریاتی میدان بن چکا ہے۔

(۴) پاکستان میں اردو سیرت نگاری پر کافی ذخیرہ موجود ہے۔

(۵) ہندوستان کی جامعات میں تحقیقی سیرت نگاری میں کمی دکھائی دیتی ہے۔

(۶) اطلاقی سیرت نگاری پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

(۷) جبی واعتقادی سیرت کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے جو نہایت خطرناک ہے۔

(۸) شمائل نبوی، خصائل نبوی، دلائل نبوی اور خصائص نبوی پر نہایت کم توجہ دی گئی ہے۔

سفارشات:

(۱) پاکستان اور ہندوستان میں ایک مشترکہ سیرت ریسرچ نیٹ ورک قائم کیا جائے۔

(۲) اردو میں سیرت تحقیق کا ڈیجیٹل اشاریہ مرتب کیا جائے۔

(۳) مقالہ جات کو آن لائن ڈیٹا بیس کی صورت میں مرتب کیا جائے۔

(۴) مستقبل کے محققین کو موضوعاتی رہنمائی فراہم کی جائے۔

(۵) ہندوستان کی جامعات میں سیرت نگاری کی کمی کو دور کرنے کے لیے وہاں کی جامعات میں سیرت چیر قائم کی جائے۔

(۶) اطلاقی سیرت نگاری اور اعتقادی وجبی سیرت نگاری میں توازن پیدا کیا جائے۔

ماخذ و مراجع:

(۱) حافظ محمد عارف گھانچی، جدید اردو کتابیات سیرت، دارالعلم والتحقیق، کراچی۔

(۲) شیر نوروز خاں، ذخیرہ کتب سیرت، قومی سیرت لائبریری و مرکز تحقیق ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

(۳) انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی۔ قاموس الکتب، کراچی، جلد اول۔

(۴) مجلس اسلامیات، فہرست کتب سیرت، نمائش کتب، اسلامیہ کالج، لاہور، ۱۹۳۶

(۵) شفیق بریلوی، سیرت طیبہ اردو کتابیں، ماہ نامہ خاتون پاکستان، کراچی، سیرت نمبر، ۱۹۴۶۔

(۶) شیخ مبارک محمود، سلسلہ کتابیات رسول ﷺ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۲ء، نیشنل بک کونسل پاکستان، ۱۹۷۳۔

(۷) پروفیسر حمید اللہ، مشرقی زبانوں میں ذخیرہ سیرت، ماہ نور کراچی، سیرت نمبر، جولائی ۱۹۸۳ء۔

(۸) حافظ بشیر حسین خادم، اردو نثر میں ذخیرۂ سیرت، ماہ نامہ فاران، کراچی، دسمبر ۱۹۸۴ء۔

(۹) ادارۂ تحقیقات اسلامی، فہرست قومی نمائش کتب سیرت، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء۔

(۱۰) پروفیسر حفیظ تائب، کتابیات سیرت رسول ﷺ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۸۷ء نیشنل بک کاؤنسل پاکستان، ۱۹۸۸ء۔

(۱۱) حافظ حبیب احمد، سیرت النبی ﷺ سے متعلق فہرست کتب، مکتبہ سید احمد شہید، لاہور، ۲۰۲۱ء

(۱۲) ڈاکٹر عزیز الرحمان، جامع اردو کتابیات سیرت، ایوان سیرت، زوار اکیڈمی کراچی، جلد اول، دوم، ۲۰۲۴ء۔

(۱۳) Thisisasianindexing.com

(۱۴) Archive.org

اخبار علمیہ

طعون وشبہات الشیعۃ الامامیۃ حول صحیح البخاری والرد علیھا کی اشاعت

یہ دراصل ڈاکٹر عادل بن یوسف العزازی کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر جامعۃ الازہر نے ان کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی ہے۔ ۴ جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں صفحات کی کل تعداد ۲۴۸۹ ہے۔ اس میں صحیح بخاری کے بارے میں شیعہ امامیہ فرقہ کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا رد سنجیدہ علمی اسلوب، مستند طریقۂ کار کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ یہ علمی تصنیف خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اعتراضات، ان کے وضع کردہ اصول وضوابط اور متون احادیث اور سندوں کی جامع تحقیق کا احاطہ کرتی ہے۔ ساتھ ہی اس میں سابقہ غیر حل شدہ شکوک وشبہات کو حل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اصل ماخذ کا حوالہ دے کر اس فرقے کی تدلیس، غلط بیانی اور بد دیانتی کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ناقدین کے طریقۂ کار کے تضادات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ صحیح بخاری کے علمی موقف کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ سنت نبوی کے دفاع اور اس کے متعلق شکوک وشبہات دور کرنے میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ ومحققین کے لیے نہایت مفید ہے۔ اس کتاب کی اشاعت دار اللؤلؤۃ للنشر والتوزیع، مصر سے ہوئی ہے اور یہ دار الیسر للنشر والتوزیع، مدینہ نصر القاھرہ سے دستیاب ہے۔

الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر

ڈاکٹر محمد بن محمد ابو شہبہؒ سابق استاعلوم القرآن والحدیث، جامعۃ الازھر کی اس کتاب کا شمار علوم قرآنی کی معاصر اور اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ مصنف نے اس میں بعض کتب تفاسیر میں موجود اسرائیلی اور من گھڑت روایات کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان روایات کی اصل اور نص قرآنی کو سمجھنے کے سلسلے میں ان کے اثرات کو واضح کیا ہے اور علماء کے موقف کا ایک جامع علمی تجزیہ بھی کیا ہے۔ مستند اسلامی اصول اور صحیح استدلال کے مطابق رد وقبول کے اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ کتاب محض روایات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک جامع علمی منصوبہ ہے جس سے کتب تفاسیر کو خارجی مواد سے پاک کرنے اور کتاب الہی کے فہم کو واہی اور موضوع روایتوں سے محفوظ رکھنے کے طریقوں کا علم ہوتا ہے۔ یہ تفسیر کی کتابوں میں اسرائیلیات کے مسئلے کو حل کرتی ہے اور

یہ ایک ایسا مرجع ہے جس سے علوم قرآن کا طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ مکتبۃ السنۃ نے اس کو شائع کیا تھا اور اسے دار الیسر للنشر والتوزیع، مدینہ نصر القاہرہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

چاند کی سطح کے متعلق اسرو کا انکشاف

ہندوستان کے خلائی ادارہ اسرو نے چندریان۔۳ کے ڈیٹا کی بنیاد پر ایک دلچسپ اطلاع دی ہے۔ رپورٹ کے مطابق چاند کی سطح دھول کی کوئی ایک عام پرت نہیں ہے بلکہ یہ دو پرتوں والے کیک کی طرح دو الگ الگ پرتوں سے بنی ہے۔ یہ محض ۳ سے ۶ سینٹی میٹر موٹی اور بہت ہلکی دھول جیسی ہے۔ اس پر چلنا سوکھے آٹے پر چلنے جیسا محسوس ہوگا۔ اوپری دھول کے ٹھیک نیچے کی سطح پرانی، ٹھوس اور سخت مٹی جیسی ہے۔ یہاں ٹھوس پن دوگنا اور گھنا پن پانچ گنا ہو جاتا ہے۔ جب وکرم لینڈر نے سطح پر دوبارہ اچھال بھری تو اس کے انجن کی گیسوں نے اوپر کی دھول اڑا دی جس سے نیچے کی سخت پرت دکھائی دینے لگی۔ (ہندوستان، ہندی روزنامہ، وارانسی، ۲۱/ مئی ۲۰۲۶ء)

(ک-ص-اصلاحی)

پروفیسر توقیر عالم فلاحی کی ویب سائٹ کا افتتاح

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات (سنی) کے سینئر استاد، سابق ڈین اور سابق صدرِ شعبہ پروفیسر توقیر عالم فلاحی کی علمی و ذاتی خدمات پر مبنی ایک جامع ویب سائٹ کا باقاعدہ افتتاح سابق وائس چانسلر پروفیسر محمد گلریز نے کیا۔ افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر محمد گلریز نے کہا کہ اس ویب سائٹ کے قیام سے دینیات، بالخصوص قرآن، تقابلی مذاہب اور سرسیدی فکر پر کام کرنے والے محققین اور اسکالرز کو پروفیسر توقیر عالم فلاحی کے علمی کام تک رسائی نہایت آسان ہو جائے گی۔ اس ویب سائٹ پر پروفیسر فلاحی کی ذاتی و علمی تفصیلات کے ساتھ ساتھ ان کے ویڈیو لیکچرز بھی دستیاب ہیں، جبکہ انگریزی، اردو اور ہندی زبانوں میں تصنیف کردہ تین درجن سے زائد کتابیں پی ڈی ایف کی صورت میں بھی فراہم کی گئی ہیں۔ صارفین ان کتابوں کو براہِ راست آن لائن پڑھنے کے علاوہ بآسانی ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔ یہ ویب سائٹ روایت اور جدت کے امتزاج کے ساتھ تحقیق و تدریس کے نئے امکانات کو فروغ دے گی۔ ویب سائٹ اس لنک پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

https://www.towqueeralam.com/

آثار علمیہ و تاریخیہ

دارالمصنفین کی مدد آپ کیوں کر کر سکتے ہیں؟

جناب پروفیسر محمد ارشد، پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے دائرۂ معارف اسلامیہ سے برسوں وابستہ رہے۔ شعبۂ اسلامیات میں پروفیسر ہوئے اور ۲۰۲۳ء میں ریٹائر ہوگئے۔ ان ہی کے الفاظ میں 'دارالمصنفین میں ان کی روح بستی ہے۔' قدیم اور نایاب رسائل و جرائد میں ندوہ اور دارالمصنفین کے تعلق سے کوئی بھی تحریر ان کی آنکھوں کی روشنی بڑھادیتی ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ الناظر، زمانہ، وکیل، اہل حدیث امرتسر، العلم، اہل حدیث گزٹ، حقیقت اسلام، سچ، صدق، اسوۂ حسنہ میرٹھ جیسے رسائل کے تراشے بھیجتے رہتے ہیں، جن میں دارالمصنفین، ندوہ، علامہ شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی کے تعلق سے کوئی خاص بات ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً الناظر میں دارالمصنفین اعظم گڑھ پر ایک نظر کے عنوان سے ایڈیٹر کے قلم سے ایک بڑی موثر تحریر موجود ہے۔ امرتسر میں ندوۃ العلماء کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۷ء کی روداد بھی بہت معلومات افزا ہے۔ رسالہ زمانہ ۱۹۲۵ء کے ایک شذرہ میں مہاتما گاندھی کی اردودانی پر دلچسپ نوٹ ہے جس میں بتایا گیا کہ گاندھی جی نے علامہ شبلی کی سیرۃ النبیؐ اور الفاروقؓ کا گہرہ مطالعہ کیا۔ ۱۹۲۶ء کے رسالہ زمانہ میں دارالمصنفین کے لیے علم دوست طبقہ سے اپیل کی تائید میں لکھا گیا کہ "جو برگزیدہ اصحاب علوم وفنون سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ بیس روپے سالانہ ادا کرکے دارالمصنفین کے رکن اول بن جائیں۔" اپنے زمانہ کے مشہور اخبار وکیل امرتسر کے ۱۹۰۲ء کے شمارہ میں امرتسر میں ندوۃ العلماء کے نویں سالانہ جلسہ میں علامہ شبلی کی تقریر کی رپورٹ بھی نایاب ہے۔ جس میں علامہ مرحوم کا خطاب ختم نبوت کے موضوع پر تھا۔ وکیل کے ایک اور شمارے میں حافظ عبدالرحمن کی کتاب عربی بول چال پر علامہ مرحوم کا ایک تبصرہ بھی ہے۔

اب یہ سب نایاب تبرکات میں ہیں اور آثار علمیہ و تاریخیہ میں پیش کیے جانے کے لائق ہیں۔

یہاں وہ اپیل پیش کی جاتی ہے جو 'دارالمصنفین کی مدد آپ کیوں کر کر سکتے ہیں' کے عنوان سے قریب ایک صدی قبل سچ اور دوسرے اخبارات میں شایع ہوئی تھی۔ اس کے لیے معارف، پروفیسر محمد ارشد کی عنایتوں کا دل سے مشکور ہے۔

جناب والا! السلام علیکم

دارالمصنّفین گیارہ سال سے قائم ہے اور اس زمانہ میں اس نے اپنی خاموش علمی خدمات کی بدولت عام اعتماد اور خاص امتیاز کے حاصل کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس عرصہ میں سیرت نبوی کی اہم و ضخیم تین جلدوں کے علاوہ اس نے مختلف علوم و فنون پر ۲۷ کتابیں شائع کی ہیں اور رسالہ معارف کے ذریعے ماہوار علمی خدمات ادا کرتا رہتا ہے۔ تصنیف و تالیف کے لیے جس سروسامان کی ضرورت ہے ان میں اس کا ایک خاص پریس ہے، کتب خانہ ہے اور رفقا و فیلوز کے رہنے کے مکانات ہیں اور ان کے علاوہ ہر سال وہ بسلسلۂ تعمیر کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا رہتا ہے، لیکن کبھی قوم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ آخر وہ عام قومی چندے کے بغیر جس پر اس وقت ہندوستان کی عام تعلیمی، علمی اور مذہبی درسگاہوں کی بنیاد ہے کیوں کر اپنی ضروریات کو پورا کرتا ہے؟

ہم نے اب تک خود یہ کوشش کی ہے کہ قوم کے دماغ کو اس قسم کی زحمت سے محفوظ رکھیں لیکن اب اس کو کتب خانہ کے لیے ایک عمارت کی سخت ضرورت ہے کیوں کہ اب تک اس کے کتب خانہ کے لیے کوئی مستقل عمارت موجود نہ تھی بلکہ مولانا شبلی مرحوم کا خاص سکونتی بنگلہ کتب خانہ کا کام دیتا رہا ہے۔ لیکن اب وہ اس ضرورت کے لیے ناکافی اور قابل اصلاح ہے، اس لیے اس میں معتدبہ اضافہ اور مرمت کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ بایں ہمہ سردست ہم تمام قوم سے اس کے لیے عام چندے کی درخواست کرنا مناسب نہیں سمجھتے، البتہ قوم کے برگزیدہ اصحاب جو علوم و فنون سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اس کے رکن اول بن کر اپنی علمی دلچسپی کے اظہار کے ساتھ اس کی اعانت بھی کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے بزرگوں کو ۲۰ روپئے سالانہ کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے اور اس رقم کے ادا کرنے کے بعد دارالمصنفین اپنی سال بھر کی تمام تصانیف اور رسالہ معارف ہدیۃً ان کی خدمت میں پیش کرتا ہے، بہت سے بزرگوں نے ہماری درخواست کے بغیر یہ علمی اعزاز حاصل کیا ہے اور اب ہم اس قسم کے پانچ سو بزرگوں کو اور اس زمرہ میں شامل کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ علم دوست اصحاب اس کو قبول فرما کر ایک خاموش کام کرنے والی علمی مجلس کی اس اہم علمی ضرورت کی تکمیل میں شوق کے ساتھ شریک ہو کر اخیر دسمبر یا شروع جنوری میں زررکنیت روانہ فرمائیں گے تاکہ ۱۹۲۷ء سے ان کا نام ارکان کے رجسٹر میں درج کر لیا جائے۔

امید ہے کہ آپ خود بھی اس کی ممبری قبول فرمائیں گے اور اپنے دوسرے احباب کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دیں گے۔

سید سلیمان ندوی و مسعود علی ندوی

(دارالمصنفین، اعظم گڑھ)

تبصرہ کتب

جناب معصوم مرادآبادی، ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی، قائد ملت، مسیحائے قوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات: ۴۰۰، قیمت: ۵۰۰ روپے، سالِ اشاعت: ۲۰۲۶ء، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی اور دہلی، لکھنؤ، علی گڑھ، حیدرآباد اور ممبئی کے معروف مکتبے۔ ای میل: masoommoradabadi@gmail.com

وقت کی گردش سے کیسے کیسے آسمانوں کو زمین کھا جاتی ہے، اس کی مثالیں کم نہیں، لیکن ذاتی محرومی سے زیادہ قومی سانحہ اور تاریخی خسارہ کا احساس دلانے والی، مثالیں بہرحال زیادہ نہیں۔

ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کی شہرت، نیک نامی اور مقبولیت کا ایک عالم تھا جس کا غلغلہ، ہندوستان اور خاص طور پر یوپی میں گزشتہ صدی کی ساٹھ ستر والی دہائی میں برپا تھا۔ دل کی بیماریوں میں مبتلا مریضوں کے لیے وہ شفاء لما فی الصدور کی ایک مجازی تفسیر ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی اصل مسیحا نفسی تو اس قوم کے لیے خاص ہوئی جو تقسیم ملک کے بعد فکر و نظر اور قلب و ذہن کے امراض وآزار میں اس طرح مبتلا تھی کہ بات بنانے کے لیے بھی کوئی بات بنائے نہیں بنتی نظر آتی تھی۔ آوازیں ضرور تھیں لیکن الگ الگ لہجوں میں، اس لیے شور زیادہ تھا، البتہ کچھ آوازیں الگ بھی تھیں جن میں زور نہیں تھا لیکن ان میں جو درد و کرب تھا، اس کا کہیں کہیں اور کبھی کبھی اور کچھ کچھ اثر ضرور ظاہر ہو جاتا۔ مجموعی طور سے آزادی کے بعد مسلمان قوم ایک لٹی ہوئی حویلی کی طرح اپنے وجود کی بے بسی کا منظر بن چکی تھی۔ زبان، تہذیب، مذہب اور ان تینوں سے تشکیل پائے ہوئے افکار واقدار کا خیال تھا نہ ان کے گم ہو جانے کا ملال۔ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے احوال یا زوال کے اسباب کا خدا جانے کب انصاف سے جائزہ لیا جائے گا۔ لیکن اس دور کی جن شخصیات کو مطالعہ و تجزیہ کی میزان پر اہمیت کے ساتھ رکھنے کی ضرورت جب بھی آن پڑے گی تو ان میں ڈاکٹر فریدی کی شخصیت کا مطالعہ سر فہرست ہو گا۔

شاید اسی ضرورت کو اس کتاب کے صحافی مرتب نے محسوس کیا اور ایک مرد جلیل کے سوانح حیات کے مطالعہ حال و مستقبل کے مورخ کے لیے ایک نہایت کارآمد مواد فراہم کر دیا۔

کتاب بتاتی ہے کہ آزادی کے بعد، ابتدائی بیس پچیس سال مسلمانوں کی روایتی زندگی کے لیے قومی اضطراب، بے چینی، بے یقینی اور مستقبل کے متوقع خدشات کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کی

سیاسی قیادت کی تمام کرسیاں، حصول آزادی کے تاوان کی شکل میں خالی ہو چکی تھیں، آزادی سے پہلے کی چند دینی جماعتوں، تعلیم گاہوں اور شخصیتوں کی میراث کے دعویداروں کو قیادت کا حق دار سمجھنا ایک ملی مجبوری بھی تھی۔ ایسے میں ایک ایسی شخصیت کا ظہور جو روایتی آداب قیادت سے دور تھی اس کا ظہور وقت کی آگاہی اور نئے ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاست کے روایتی دھارے کا رخ موڑنے والا نظر آیا۔ ڈاکٹر فریدی نے مذہب کی بنیاد پر مسلم سیاست کی گمراہیوں کو دیکھا تھا، اس لیے مذہبی چہروں اور زبانوں سے الگ ان کی سیاست نے عاقبت اندیشی اور دور بینی کا ایک نیا پیکر تراشنے کی کوشش کی۔ قدامت اور روایت پرستی کے صنم کدہ میں اس کے جلوؤں کی درخشانی کی امید کم ہی تھی اور ہوا بھی یہی۔ ڈاکٹر فریدی کی شخصیت اور ان کا انداز فکر دونوں شعلہ مستعجل ثابت ہوئے۔

یہ واقعی حیرت واستعجاب ہی کا معاملہ ہے کہ ان کی شخصیت، ان کی سیاست، ان کی مجلس، ان کے اخبار قائد پر قریب نصف صدی گزر جانے پر بھی ایک ملی خاکستر میں شعلۂ خموش کو کریدنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

زیر نظر کتاب اس لحاظ سے دل سے قدر کے لائق ہے کہ ایک حساس اور فعال صاحب قلم نے بڑی محنت و جستجو کے بعد ڈاکٹر مرحوم کی ذات و صفات پر مشتمل قریب تمام اہم تحریروں کو جمع کر دیا۔ ان تحریروں کا تنوع، اصحاب مضامین کا تنوع اور ان کی فکر و نظر کا تنوع بتاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کس درجہ ہمہ گیر تھی۔ ان کے نامور ہم عصروں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مفتی عتیق الرحمن عثمانی، رشید احمد صدیقی، قاضی عدیل عباسی، سید صباح الدین عبدالرحمن سے چھیدی لال ساتھی تک قریب سترہ اہل قلم کے مضامین اس کتاب کی روح ہیں۔ یہ ترتیب و تدوین کی سلیقہ مندی ہے کہ مضامین کو کئی ابواب میں مشن اور سرمایہ، خطبات اور تقریریں، مکتوبات اور نذرانۂ عقیدت کی سرخیوں کے تحت یکجا کر دیا گیا۔

یہ مضامین کیا ہیں، آزادی ملک کے بعد مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات مسلسل تنگ کر دیے جانے کی وہ روداد یں ہیں یا قومی اعمال نامے ہیں یا پھر طلسم ہوش ربا کے ایسے آئینے ہیں جن میں قوم کو اپنا چہرہ دیکھنے کی توفیق ہو سکتی ہے۔ اور شاید اس سوال کا جواب بھی کہیں بین السطور میں مل سکتا ہے کہ ہندوستان میں رہ جانے والی مسلم اقلیت کے وجود اور بقا کا مسئلہ الجھتا ہی کیوں گیا؟

جاوید حبیب کے مضمون میں ایک ذیلی سرخی سیاسی نفسیات کی ہے۔ کاش اس سیاسی نفسیات کا مطالعہ، روایتی قیادت کے ساتھ ۱۸۵۷ء کے بعد ابھرنے والی نو آبادیاتی دانشوری کا بھی کیا جاسکتا۔

فریدی صاحب کا تعلق ان دونوں کناروں سے نہیں تھا۔ وجہ صاف ہے کہ وہ عوامی زندگی سے وابستہ تھے۔ جس کے مسائل، چہروں اور لباسوں کی نمائش سے حل نہیں ہونے والے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی سیاسی زندگی، اسی عام زندگی میں ایک اجتہادی ردعمل کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ مسلم مجلس مشاورت اور بعد میں سمٹ کر صرف مسلم مجلس کے قیام اور پھر اس کے بھی بے نام وکام ہونے کا المیہ، ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے افسوس ناک اختتامیہ سے یقیناً تعلق رکھتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے سیاست کی پرخار وادی میں قدم کیوں رکھا؟ ان ہی کے الفاظ میں وجہ صرف یہ ہوئی کہ آزادی کے وقت فرقہ واریت کی جاگیر دارانہ قیادت نے جس طرح مملکت خداداد کی برکتوں کے حصول کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت کی دستار اتاری تو ان غریبوں کی ایک آواز یہ تھی کہ "بھیا کیا آپ بھی چلے جائیں گے؟" اس جواب طلب سوال نے خود ہی راہ دکھائی کہ "ہندوستان میں رہنا ہے تو اپنی سیاست بناؤ"۔ ڈاکٹر صاحب نے سیاست کرنے کی جگہ سیاست بنانے کی بات کی۔ یہی وہ کنجی ہے جو قیادت کی راہ میں ایسی کھوئی گئی کہ اب تک ماتم اسی کا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا کہ ڈاکٹر صاحب کے دل میں مسلمانوں کا سچا درد، ان کے مستقبل کی فکر ان کی ہر فکر پر غالب آگئی تھی۔ مولانا ندوی نے وجہ بتائی کہ چونکہ ڈاکٹر صاحب فن طب و معالجات کے میدان کے آدمی تھے جس کی بنیاد سراسر واقعیت، تجربہ اور حقیقت پسندی پر ہوتی ہے اسی لیے حقیقت پسندی ان کا مزاج بن گئی۔ مولانا ندوی نے اشاروں میں قیادت کی مطلوب صفات واضح کر دیں کہ سراسر واقعیت ہو، تجربہ ہو اور حقیقت پسندی ہو۔ قاضی عدیل عباسی، خلافت تحریک کے پروردہ تھے لیکن ڈاکٹر فریدی کی سیاست سے وہ ہم آہنگ نہیں ہو سکے لیکن وہ یہ کہنے سے خود کو روک بھی نہیں سکے کہ ڈاکٹر فریدی کے رویہ میں خلوص ہی خلوص تھا، اپنی رائے آزادی سے دیتے لیکن بحث و مباحثہ کے بعد اپنی رائے بدلنے میں توقف بھی نہیں کرتے۔ مشورہ جس طرح قبول کرتے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ایک اور مضمون جمیل مہدی کا ہے جو خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہے۔

افسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کی قدر نہیں کی گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ قیادت کے نام پر کروروں کی آبادی کو صفر کی طرح خالی جزیروں کے حوالے کر دیے جانے کی کوتاہیاں، غلطیوں میں اور غلطیاں، سزاؤں میں بدلتی چلی گئیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اگر اس قسم کے خیالات و جذبات میں ابال آئے تو یہی اس

کتاب کی کامیابی کا ثبوت ہے۔

دیباچہ میں یہ لکھا جانا محض ایک جملہ نہیں، واقعہ ہے کہ یہ کتاب ملت کو بھولا ہوا سبق یاد دلاتی ہے۔ یقیناً معصوم مراد آبادی ایسی کتاب اور اس کے مرحلہ ہائے جمع واخذ اور ترتیب و تدوین اور بروقت اشاعت کے لیے پوری قوم کے شکریے کے مستحق ہیں۔ (محمد عمیر الصدیق ندوی)

احمد محمود کوثر اعظمی، ذکر محمدؐ: کوثر اعظمی کی منتخب نعتیں، تدوین: ڈاکٹر محمد اسماعیل اصلاحی، صفحات: ۱۳۶، اسوہ اکیڈمی، علی گڑھ و ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۲۵ء، قیمت: ۳۰۰ روپے۔ موبائل نمبر: ۷۹۰۶۹۲۸۱۵۲۔

احمد محمود کوثر اعظمی، مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم کے ارشد تلامذہ، ممتاز اصلاحی فضلاء اور جماعت اسلامی کے دیرینہ ارکان میں تھے۔ مدرسے کی انتظامیہ سے ایک عرصے تک وابستہ رہے۔ ان کا ادبی و شعری ذوق عمدہ اور نکھرا ہوا تھا۔ عربی، فارسی، ہندی اور اردو چاروں زبانوں پر ان کو ایسی دست رس حاصل تھی کہ ان میں شاعری کرتے تھے۔ ادب اطفال میں بھی مہارت تھی۔ بچوں کے لیے متعدد کہانیاں اور ڈرامے لکھے جو اس وقت کے مقتدر و مشہور رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔ مولانا فراہیؒ کی عربی تصنیف ”امثال آصف الحکیم“ کا ”ادب آموز کہانیاں“ کے نام سے منظوم اردو ترجمہ کیا تھا۔ زیر نظر کتاب ان کے منتخب نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے جس کو ڈاکٹر محمد اسماعیل اصلاحی نے مدون کیا اور اس پر ایک وقیع اور مبسوط مقدمہ لکھا۔

مقدمے میں پہلے لفظ ”نعت“ کی لغوی و اصطلاحی تحقیق، نعت گوئی کی جامع تاریخ، اس کے بعد خود کوثر صاحب کی نعتوں کے فنی خصائص کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی قدر و قیمت اور معنویت متعین کی ہے۔ شروع میں چند حمد و مناجات بھی ہیں۔ مقدمہ نگار کا خیال ہے کہ اکثر نعت گو شعراء اپنی غزل نما نعتوں پر کوئی عنوان قائم نہیں کرتے لیکن عام روش کے برخلاف مولانا کوثر اعظمی نے اپنی نعتوں کو معنون کیا ہے۔ بعض عنوانات اور مضامین تاریخی نوعیت کے ہیں مثلاً صاحب پرچم، آئینۂ عکس نما، یہ رات، آج کا دن اور ہندی نعت ”ہاتھ وجے کا تمھرے پرچم“ وغیرہ۔ ممتاز شعرائے اعظم گڑھ میں کوثر اعظمی اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ انھوں نے بہ یک وقت اردو و فارسی کے علاوہ عربی اور ہندی میں بھی طبع آزمائی کی۔

کوثر صاحب کو فن نعت گوئی پر پورا عبور تھا، اسی لیے وہ اس پل صراط سے بے داغ و بے خوف گذرے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی ان کا نعتیہ کلام دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا ایک مؤمن شاعر کا کلام

معلوم ہوتا ہے۔ بعض اشعار ایسے مؤثر و دلگداز ہیں کہ دل پر رقت کا طاری اور آنکھوں سے اشکوں کا جاری ہونا ضروری ہے۔ بالخصوص خانۂ کعبہ پر پہلی نظر پڑنے، روضۂ اقدس پر حاضر اور مدینۃ النبیؐ سے واپس ہونے پر جو جذباتی نعتیں ان کے قلم سے تراوش ہو کر صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوئیں وہ لائق مطالعہ ہیں۔ زبان رواں، سلیس و شگفتہ مگر اعلی معیار کی حامل، مضمون مبالغے سے پاک مگر انتہائی گہرائی و گیرائی لیے ہوئے۔ فارسی آمیز اردو جس کو سمجھنے کے لیے مطالعے کا وسیع ہونا ضروری۔

ان کی ایک مشہور نعت کا یہ بند دیکھیں جس میں علامہ اقبال سہیل کا رنگ و آہنگ صاف جھلکتا ہے:

صبا جب تو بہ تحریک ہوائے دامن گلشن ۔۔۔ خرام ناز سے اٹھے، سبک رفتار سے گزرے
مصاف دشت سے نکلے، سر کہسار سے گزرے ۔۔۔ بہ فرط وادی بطحا، دیار یار سے گزرے
مری جانب سے جا! اتنا مرے سرکار سے کہنا
کما صلیٰ علیک اللہ صلّینا و سلّمنا

کتاب کا نام "ذکر محمدؐ" ہے۔ اسی عنوان سے ایک پوری نعت کتاب میں موجود ہے جس میں انہوں نے ذکر محمدؐ کو سکون قلب کا ذریعہ اور ہر درد کا علاج بتایا ہے:

قرار دل و جاں ہے ذکر محمدؐ ۔۔۔ بہر درد درماں ہے ذکر محمدؐ
زباں پر سلام اور آنکھوں میں آنسو ۔۔۔ عجب کیف ساماں ہے ذکر محمدؐ
مری زندگی کا سکوں بخش کلمہ ۔۔۔ مری جان ایماں ہے ذکر محمدؐ

تقریباً ہر نعت فرط عقیدت اور پیامیہ جذبے سے مملو ہے۔ شاعر دربار نبوی کے اتنے بڑے ادب آشنا ہیں کہ مدح و توصیف میں کسی ایک لفظ پر بھی بازاری یا رکیک ہونے کا شائبہ تک نہیں۔ پروف ریڈنگ کی جانب مزید توجہ کی ضرورت تھی۔ معمولی فروگذاشتوں سے قطع نظر اسوہ اکیڈمی کی یہ بسم اللہ یقیناً اس کے روشن اور تابناک مستقبل کی غماز اور سنجیدہ نعتیہ ذخیرے میں قیمتی اضافہ ہے۔ (کلیم صفات اصلاحی)

ڈاکٹر شاکر فرخ ندوی، عالم اسلام ایک جائزہ، مجلد، صفحات ۴۰۸، صفہ اکیڈمی، مانک مئو، سہارنپور، ۲۰۲۵ء، قیمت: درج نہیں، موبائل نمبر: ۹۷۵۸۹۳۶۹۸۰۔

فاضل مصنّف نے ندوہ کے علاوہ جامع ازھر اور جامعۃ القاہرہ کے چشمۂ فیض سے بھی استفادہ کیا۔ ان کے والد مولانا محمد ناظم ندوی نے انہیں عالم اسلام کے تفصیلی جائزے پر مامور کیا اور وہ پورے انہماک سے اس تاریخی اور علمی سفر پر روانہ ہوگئے اور روداد سفر پہلے ماہنامہ "حرا کا پیغام"

کے قارئین کو ’’عالم اسلام ایک جائزہ‘‘ کے عنوان سے برسوں سناتے رہے۔ جب اس کی ۴۵ قسطیں ہوئیں تو کتابی شکل میں شائع کیا۔

ایشیا میں ۲۷، افریقہ میں ۲۶، اور یورپ میں کل ۳ مسلم ممالک (البانیا، کوسووو اور بوسنیا ہرزیگووینا) ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے غیر مسلم ممالک میں اچھے خاصے مسلمان بود و باش رکھتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد کے باوجود اسلام دشمن طاقتیں، عالم اسلام کو سیاسی، عسکری، فکری اور تہذیبی ہر سطح پر کمزور کرنے کے خواب ہی نہیں دیکھ رہی ہیں بلکہ باہم شیر و شکر ہو کر ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں لیکن افسوس ہے کہ دین سے دوری، غفلت، ناعاقبت اندیشی، وہن اور مادہ پرستی میں گرفتار ہونے کے سبب پورا عالم اسلام کسی مضبوط اور ٹھوس اقدام یا ردعمل کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ مصنّف کے بہ قول برصغیر کا ایک بڑا طبقہ اپنے شان دار ماضی اور عالم اسلام کی موجودہ صورت حال سے بے خبر ہے۔ کتاب کا بڑا مقصد نئی نسل کو ان حالات سے واقف کرانا ہے حالانکہ موجودہ سماجی و تحقیقی ذرائع ابلاغ اس بے خبری کی تایید نہیں کرتے۔ فی زمانہ مسلمانوں کی عام حالت ریت میں سر ڈالے اس غافل شتر مرغ کی ہے جو سمجھتا ہے کہ طوفان گذر جائے گا۔

نہایت اہم اور بروقت موضوع پر اس دستاویزی کتاب میں عالم اسلام کے عظیم الشان ماضی کے ساتھ ساتھ بے شمار مادی وسائل، وسیع رقبہ و آبادی، بے اندازہ معدنی ذخائر سے لیس اور قرآن جیسی دائمی نعمت کی حامل موجودہ ملت اسلامیہ کا نقشہ دیکھا جا سکتا ہے۔ علمی، تعلیمی، سائنسی، تمدنی، اقتصادی، صنعتی اور اخلاقی انقلاب اور اس کے عروج و زوال کی اس داستان سرائی میں زوال کہاں سے آیا اور اس کے اسباب کیا تھے؟ اس کی محققانہ نشاندی بھی کی گئی ہے۔ آپسی خلفشار، قرآنی تعلیمات پر عدم عمل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے انحطاط و انتشار کی اہم وجہ تلک الأيام نداولها بين الناس کے قرآنی اصول کو بھی مانا گیا ہے۔ حوصلہ افزا باتیں بھی کی گئی ہیں۔ بیچ بیچ میں فکر انگیز تبصرہ اور چشم کشا تجزیہ بھی کیا گیا ہے تاکہ ملت بیمار اپنی اصل، جواں مردی و شجاعت کی طرف پلٹے اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔

مصنّف کے نزدیک عالم اسلام کے مفہوم میں وہ قومیں اور حکومتیں شامل ہیں جو اسلامی عقیدے کی حامل ہوں۔ پچاس فیصد سے زیادہ مسلم آبادی والے ملک اور غیر مسلم ممالک میں آباد مسلم اقلیات کو بھی عالم اسلام کے دائرے میں داخل کر کے ان کے حالات کی تفصیل فراہم کی گئی ہے۔

آسان زبان، سادہ طرز بیان، موضوع پر بھرپور مواد کی حامل اس لائقِ مطالعہ کتاب میں صحافتی اسلوب کے غلبے کے سبب کہیں کہیں تاریخی و تحقیقی گرفت کمزور پڑ گئی ہے۔ (ک-ص-اصلاحی)

غزل

جمیل مانوی

سہارنپور

جو مرے دل میں تمنا کو مکیں دیکھتی ہے
وہ نظر کیوں مرے جذبات نہیں دیکھتی ہے

یہ محبت جو ترا روئے جبیں دیکھتی ہے
آنکھ اٹھا کر کبھی دنیا کو نہیں دیکھتی ہے

جانتا ہوں مری شہ رگ سے بھی نزدیک ہے تو
میری شہ رگ بھی تجھے اپنے قریں دیکھتی ہے

جس نے ایوانِ تمدن میں جلائے تھے چراغ
اب اسی قوم کو حیرت سے زمیں دیکھتی ہے

اس کی رحمت ہی مٹا دیتی ہے آگے بڑھ کر
میرے دامن پہ اگر داغ کہیں دیکھتی ہے

دل اسی طرح ترا ذوقِ طلب دیکھتا ہے
جس طرح تیری طلب مرا یقیں دیکھتی ہے

ایک لمحہ میں قیامت سی گذر جاتی ہے
جب محبت تجھے مغموم و حزیں دیکھتی ہے

یہ الگ بات ابھی طالبِ دنیا ہے جمیلؔ
اس کو وہ آنکھ دے جو عرشِ بریں دیکھتی ہے

معارف کی ڈاک

مدارس عربیہ

اس مضمون کے لیے اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دیں۔ افسوس ہے کہ یہ سلسلہ اب امریکہ میں بھی پھیل رہا ہے۔ وہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو سوسائٹی سے دور کر رہے ہیں۔

امام عبدالملک مجاہد، شکاگو، امریکہ
info@soundvision.com

ڈاکٹر مصطفی الاعظمی کا کام

معارف کے نئے شمارے میں ڈاکٹر شکیل الرحمن کے مضمون میں ڈاکٹر مصطفی الاعظمی کے بارے میں پڑھا لیکن سب سے اہم بات اس مضمون سے غائب ہے: ڈاکٹر الاعظمی کا وہ زبردست کام کہاں گیا؟ براہ کرم مضمون نگار سے معلوم کریں کہ وہ کام کہاں ہے۔ میری ملاقات ڈاکٹر مصطفی اعظمی صاحب سے تھی۔

امام عبدالملک مجاہد، شکاگو، امریکہ

info@soundvision.com

مضمون نگار کا جواب: میں نے مقالہ کے آخر میں واضح کیا ہے کہ ان کا پروجیکٹ مہنگا ہونے اور تاخیر سے مارکیٹ میں آنے کی وجہ سے مقبول نہ ہو سکا۔ دسمبر ۲۰۱۴ میں جب میری ملاقات ان کے بڑے بیٹے پروفیسر عقیل الاعظمی سے ریاض میں ان کی رہائش گاہ پر ہوئی تو انھوں نے مجھے ان کا سارا کام دکھایا تھا لیکن وہ سب پرانے ماڈل پر تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ انھیں اپڈیٹ کر کے پھر سے مارکیٹ میں لائیں ان شاء اللہ، مقبول ہو گا۔ اس پر انھوں نے کہا اں کوشش تو ہے لیکن دیکھئے کب پورا ہوتا ہے۔ اس کی کچھ تصاویر میرے پاس ہیں۔ سوال مذکور کے تفصیلی جواب کے لیے مجھے ایک بار پھر ان سے رابطہ کرنا ہو گا تاکہ اپنی پرانی معلومات میں اضافہ ہو اور موجودہ صورتحال کی صحیح جانکاری دے سکوں۔

ڈاکٹر شکیل الرحمن
shakeelmau7@gmail.com

رسید کتب موصولہ

ڈاکٹر محمد امین عامر، آثار خامہ (شعری مجموعہ): پیل خانہ، تھرڈ لین (چوتھی منزل)، ہوڑہ، کولکاتا، صفحات: ۱۸۴، سالِ اشاعت: ۲۰۲۵ء، قیمت: ۱۶۰ روپے، موبائل نمبر: ۸۵۸۳۹۹۱۹۵۳

ڈاکٹر محمد امین عامر، ادبیات بنگال (مضامین کا مجموعہ): مغربی بنگال، اردو اکادمی، رفیع احمد قدوائی روڈ، کولکاتا، صفحات: ۱۴۴، سالِ اشاعت: ۲۰۲۱ء، قیمت: ۱۰۰ روپے، موبائل نمبر: ۸۵۸۳۹۹۱۹۵۳

پروفیسر مجید بیدار، اردو میں جدید ترسیل کے ذرائع: ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹر، پرانی حویلی، حیدرآباد، صفحات: ۴۰۴، سالِ اشاعت: ۲۰۲۶ء، قیمت: ۴۰۰ روپے، موبائل نمبر: ۹۴۴۱۶۹۷۰۷۲

فیصل احمد بھٹکلی ندوی، ایک ہفتہ بنگلہ دیش میں: مکتبہ الشباب العلمیہ، ندوہ روڈ، لکھنؤ، صفحات: ۹۶، سالِ اشاعت: ۲۰۲۵ء، قیمت: ۸۰ روپے، موبائل نمبر: ۹۱۹۸۶۲۱۶۷۱

ڈاکٹر شاکر فرخ ندوی، ترکی میں بیس دن: صفہ اکیڈمی، مانک مئو، سہارن پور (یوپی)، صفحات: ۹۶، سالِ اشاعت: ۲۰۲۵ء، قیمت: درج نہیں، موبائل نمبر: ۹۰۱۲۱۵۴۴۶۰

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان، *Two Icons of Islamic West Africa*: فاروس میڈیا اینڈ پبلشنگ پرائیویٹ لمیٹڈ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی، صفحات: ۱۵۹، سالِ اشاعت: ۲۰۲۶ء، قیمت: ۳۵۰ روپے، موبائل نمبر: ۹۹۱۱۱۴۲۱۵۱

مطیع الرحمن عوف ندوی، دستاویز (مضامین کا مجموعہ): مکتبہ احسان، لکھنؤ، صفحات: ۱۸۰، سالِ اشاعت: ۲۰۲۵ء، قیمت: ۱۴۰ روپے، موبائل نمبر: ۹۷۹۳۱۱۸۲۳۴

ڈاکٹر ذکی طارق، شعری افلاک کے ستارے: کتب خانہ انجمن ترقیِ اردو، جامع مسجد، دہلی، صفحات: ۱۲۸، سالِ اشاعت: ۲۰۲۴ء، قیمت: ۲۵۰ روپے، موبائل نمبر: ۹۸۶۸۶۳۹۳۱۹

قاضی اسد ثنائی، قم باذنی (شعری مجموعہ): مکتبہ الانصار، جمال کالونی، ریاست نگر، حیدرآباد، صفحات: ۲۷۲، سالِ اشاعت: ۲۰۲۵ء، قیمت: ۲۰۰ روپے، موبائل نمبر: ۹۳۹۱۳۰۱۱۹۲

ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل، لاریب: حیدری روڈ، مومن پورہ، ناگ پور، مہاراشٹر، صفحات: ۲۰۸، سالِ اشاعت: ۲۰۲۵ء، قیمت: ۲۰۰ روپے، موبائل نمبر: ۹۰۴۹۷۵۴۰۲۲

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

اسمائے کتب	قیمت	اسمائے کتب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-	موازنہ انیس و دبیر	250/-
سیرۃ النبی (خاص ایڈیشن مکمل ۷ جلدیں)	2800/-	اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	125/-
مقدمہ سیرۃ النبی	30/-	سفرنامہ روم و مصر و شام	200/-
الفاروق	350/-	کلیات شبلی (اردو)	220/-
الغزالی	300/-	کلیات شبلی (فارسی)	--
المامون	175/-	مقالات شبلی اول (مذہبی)	170/-
سیرۃ النعمان	400/-	مقالات شبلی دوم (ادبی)	70/-
سوانح مولانا روم	220/-	مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	170/-
شعر العجم اول	250/-	مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	200/-
شعر العجم دوم	150/-	مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	150/-
شعر العجم سوم	150/-	مقالات شبلی ششم (تاریخی)	150/-
شعر العجم چہارم	200/-	مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	100/-
شعر العجم پنجم	150/-	مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری)	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن)		انتخابات شبلی (سید سلیمان ندوی)	200/-
تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی	350/-	مکاتیب شبلی اول ″ ″	--
خطبات شبلی	150/-	مکاتیب شبلی دوم ″ ″	--
الکلام	350/-	اسلام اور مستشرقین چہارم	
علم الکلام	200/-	(علامہ شبلی کے مقالات)	250/-

Total Pages: 84 (Including Cover Page)

JUNE 2026 Vol- 213(6) ISSN 0974-7346 Ma'arif(Urdu)-Print

RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP- 43/2026-28

Monthly Journal of

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)

Email: info@shibliacademy.org

دارالمصنّفین کی نئی مطبوعات

روایاتِ سیرت نبویؐ (بلاذری کے حوالے سے)	مولانا کلیم صفات اصلاحی	450/-
مصادرِ سیرت نبویؐ (مجموعۂ مقالات سیمینار)	مرتبہ: مولانا کلیم صفات اصلاحی	600/-
عہد اسلامی کا ہندوستان: معاشرت، معیشت اور حکومت کے مسائل	پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی	300/-
وفیات مشاہیر (مولانا ضیاء الدین اصلاحی)	ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں و سلیم جاوید	600/-
دارالمصنّفین کے سو سال (اضافہ شدہ)	مولانا کلیم صفات اصلاحی	500/-

تاریخ ساز ادارے کے معاون خاص بنئے

برصغیر کے قدیم ترین علمی اور تحقیقی ادارہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ کو خود کفیل بنائیے۔ سنہ ۱۹۱۴ سے قائم یہ وہی ادارہ ہے جس نے علامہ شبلی نعمانی کی شہرہ آفاق تصنیف سیرت النبی سمیت ۲۸۰ بیش قیمت علمی اور تحقیقی کتابیں شائع کی ہیں۔ آج جبکہ تاریخ کے نام پہ مسلمانان ہند پر یلغار ہو رہی ہے، اس ادارے کو تقویت دینا اور خود کفیل بنانا پوری ملت کا فرض ہے۔ کم از کم پانچ ہزار روپیے سالانہ تعاون فرمائیں۔ اکاونٹ کی تفصیل اور QR کوڈ حاضر ہے۔

A/C: DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH
A/C No: 0504010100032752
Bank Name: PUNJAB NATIONAL BANK
Branch: HEERPATTI - AZAMGARH (U.P.)
IFSC: PUNB 0476100 - Bank Code: 476100

Darul Musannefin Shibli Academy
Shibli Road, Azamgarh-276001, U.P.
Contact: Dr Fakhrul Islam Azmi, Dy. Director
Mobile: 99352 33940
Email: info@shibliacademy.org [to inform after remittance]
www.shibliacademy.org

Scan and pay with any BHIM UPI

BHIM UPI

تعاون بھیج کر اپنے پورے پتہ کے ساتھ ہمیں ای-میل سے مطلع کریں۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام خان (ڈائرکٹر)